ماہنامہ

مارچ ۸۲

۱۴۰۳
۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام مصطفیٰ

## اداریہ

مدت سے دیکھتے چلے آرہے تھے کہ باہمی لین دین میں اشیاء کے وزن کرنے کے لیئے تاجر لوگ سیر من وغیرہ کے باٹ استعمال کرتے تھے اور چیزوں کو ماپنے کے لیئے گز، فٹ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔ حکومت کے ایک اعلان سے سیر کی جگہ کلوگرام اور گرام کے باٹ بازار میں آگئے اور گز، فٹ کی جگہ میٹر اور سینٹی میٹر استعمال ہونے لگے۔ لوگوں نے اس تبدیلی میں نہ دیر لگائی نہ تعجب ہوا۔ اس کی وجہ اگر قانون کے احترام کا جذبہ ہو تو کیا کہنا! اور اگر چالان اور سزا کا خطرہ اس کا محرک ہو جب بھی یہ اقدام قابلِ قدر ہے۔ بہرحال اس میں یہ اُصول کارفرما نظر آتا ہے کہ اہلِ وطن باہمی لین دین میں ماپ تول کے سلسلے میں کھل کر ہیرا پھیری کرنا پسند نہیں کرتے۔

دین اور مذہب انسانی زندگی کا وہ شعبہ ہے کہ انسان ایک تو اللہ سے معاملہ کرتا ہے دوسرا دین ہی کی بنا پر انسانوں کا آپس میں معاملہ ہوتا ہے۔ انسان کا جو معاملہ اللہ سے ہے وہ کچھ ایسا ہے کہ بندے اور اللہ کے بغیر اس کی حقیقت کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ مگر انسانوں کا باہمی معاملہ ایسی چیز ہے کہ معاشرے کے امن و اتحاد اور سکون کا مدار اسی پر ہے زندگی کے اتنے اہم پہلو کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ ہمارا رویہ کوئی قابلِ تعریف نہیں بلکہ بعض اوقات تو قابلِ برداشت بھی نہیں رہتا۔

انسان نے عقیدہ، عمل، لگن اور محبت ہر چیز کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ اللہ و رسول کے مقررہ پیمانوں پر مطمئن نہیں ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں خود ساختہ پیمانوں سے دوسروں کے ایمان، عقیدہ، عمل اور محبت کو ناپنا، تولنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ لازماً انتشار پریشانی اور بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ نے ایمان کا پیمانہ یہ بتایا کہ فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا

"یعنی میرے رسولؐ نے اپنی ۲۳ سالہ تربیت سے جو افراد تیار کئے۔ ان کا ایمان ایسا معیاری ہے کہ قیامت تک آنے والوں کا ایمان اسی پیمانے سے ناپا جائے گا۔"

عمل کے سلسلے میں فرمایا کہ والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ الخ

"یعنی وہ لوگ جنہوں نے میرے حبیبؐ کے اشارے پر گھر بار چھوڑا اور وہ لوگ جنھوں نے ان بے گھر لوگوں کو اپنے یہاں بسایا۔ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ ان کی عملی زندگی اللہ کے معیار پر ایسی پوری اتری کہ بعد میں آنے والوں کے لئے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص خلوص دل سے ان کی اتباع کرے گا اللہ صرف اسی سے راضی ہوگا۔"

محبت کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے ایک پیمانہ دیا کہ من احب سنتی فقد احبنی یعنی جس نے فکری اور عملی زندگی میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزاری اس نے مجھ سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ ورنہ محبت کا نرا دعویٰ یا ایکٹنگ ہوگی حقیقی محبت نہیں ہوگی۔

ان پیمانوں کو چھوڑ کر اپنے ایجاد کردہ پیمانوں کو محبوب سمجھنا یوں لگتا ہے جیسے کوئی جعلی کرنسی ملک میں پھیلانے کی کوشش کرے۔

اس سلسلے میں اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ جعلی نوٹ فن اور آرٹ کا بہترین نمونہ تو ہو سکتا ہے، بڑا پیارا اور نظر فریب تو ہو سکتا ہے مگر اس سے بازار سے سودا کوئی نہیں مل سکتا۔ اسی طرح دین کے بارے میں جعلی پیمانے بڑے پسندیدہ، خوشنما اور دلفریب تو ہو سکتے ہیں مگر اللہ کے ہاں وہ قابل قبول نہیں کیونکہ اللہ بڑا نقاد ہے۔ خطرہ ہے کہ اس جعلسازی پر چالان نہ ہو جائے اور سزا نہ سنا دی جائے۔ مگر چونکہ اس چالان اور سزا کا وقت مقرر ہے اور مقام اور زمانہ مختلف ہے اس لئے ہم بڑی بے فکری سے یہ جرأت کرتے رہتے ہیں۔

فھل انتم منتھون!

"مدیر"

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب

# اسرار التنزیل

## یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ۔ ۔ ۔ انت العلیم الحکیم

اما بعد: خداوند جل وعلیٰ نے انسانوں کی ایک مخصوص جماعت کو خطاب فرمایا ہے۔ اور وہ جماعت کوئی ایسی گئی گزری نہیں ہے۔ آمنوا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ اللہ جل شانہٗ کی ذات کے طالب اور اس کے پروانے اور اُس کے ماننے والے اور اُس کے قرب کے خواہشمند ہیں آمنو کے تحت وہ لوگ آتے ہیں جنھیں اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا کی طلب ہے آمنوا کے تحت وہ لوگ آتے ہیں جن کے دلوں میں خداوند عالم کے قرب کی تڑپ ہے تو گویا یوں معنی سمجھتے ہیں کہ اے میری ذات کے چاہنے والو۔ اے وہ لوگو جو اس وسیع کائنات کی رنگینیوں میں رہتے ہوئے، جو یہاں کے دلفریب مناظر کو دیکھتے ہوئے وہاں کی طرح طرح کی رنگینیوں سے دامن چھڑاتے ہوئے ظلمت میں اس گئے گزرے دور میں پھر میری ہی ذات کے طالب ہو، تو آؤ میں تمہیں الٰہی بارگاہ میں آنے کا راستہ تو بتا دوں۔ واقعی اس کی شان ایسی ہے اور اسے یہی سزاوار تھا۔ ہم تو عاجز ہیں مسکین ہیں، بے بس ہیں اس کے دکھائے سے دیکھ سکتے ہیں اُس کے سنانے سے سن سکتے ہیں اس کے بتانے سے جان سکتے ہیں۔ ہم کیا ہیں اور ہمارے علوم کیا ہیں اور ہماری ہمتیں کیا ہیں ہم کیا ہیں اور ہمارا وجود ہی کیا ہے۔ حقیقتاً بات بنتی ہی جب ہے، جب اُس طرف سے آواز دی جاتی ہے ایک گدائے بے نوا ہو اور شہنشاہ کی ملاقات کا طالب ہو اس کی کوششیں کیا ہوں گی۔ اُس کی محنت کیا ہو گی۔ اس کی ہمت کیا ہو گی۔ بات جب بنے گی کہ کسی دریچے سے وہ شہنشاہ اُسے دیکھ کر پکارے کہ میری بارگاہ میں بھیج دو پھر اُسے کوئی روکنے والا ہے ہی نہیں پوری سلطنت میں اُسے کوئی منع کرنے والا نہیں اور اپنے طور پہ وہ عاجز اور بے کس جتنی کوشش بھی کرتا ہے، جتنی محنت بھی کرتا رہے چیختا رہے پکارتا رہے۔ اُس کی آواز محلات کی ان دیوہیکل دیواروں سے ٹکرا کر واپس آجائے گی۔ کیا ہوسکتا ہے۔ لطف ہی جب آتا ہے جب اُس طرف سے ندائے دلنواز آتی ہے۔ اے میری ذات کے پروانو یا ایھا الذین آمنوا پھر اللہ کریم اپنے ان مخصوص بندوں کو اپنی خلق میں سے علیحدہ کر کے ساری مخلوق

اُسی کی ہے سب اُسی کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں سب مٹی کی مُورتیں ہیں اُسی نے سب کو رنگ دیا شکلیں دیں عقلیں دیں صحت دی ۔ گھر دیا ۔ مال دیا ۔ سب کچھ دیا مگر اس سارے کے باوجود کچھ ایسے بے نصیب تھے کہ اس دنیا کی رنگینیاں بھی تو کچھ کم نہیں ہیں ۔ خواہ اسے ناقص کہہ لیں ۔ اسے اچھا بھی نہ سمجھیں بنائی ہوئی تو اُسی دستِ قدرت کی ہیں اس میں بھی دل کو کھینچ لینے کی صلاحیت تو ہے اس سے تو تب بچا جا سکتا ہے جب اس کا مقابلہ ذاتِ باری سے کیا جائے ۔ ورنہ یہ بھی تو اس کی صنعت ہے ۔ یہ ڈبوتی ہے ۔ دلوں کو پھاڑ دیتی ہے سینوں کو داغدار کر دیتی ہے رشتے چھڑا دیتی ہے ۔ راتوں کو بیدار کر دیتی ہے ۔ چوریاں کرتے ہیں ڈاکے ڈالتے ہیں جیلیں کاٹتے ہیں مرتے ہیں لیکن کہتے ہیں ہائے دنیا کو نہیں چھوڑیں گے ۔ اس میں بھی ایک طرح کی کشش تو ہے اس کی کشش کو کاٹنے کا سبب اس کے بنانے والے کی ذات ہی ہے تصور کا طلسم تب ٹوٹے گا جب مصوّر کی ذات سامنے آئے گی ۔ ورنہ اس میں بھی اُس نے بڑے رنگ بھر دیئے ہیں بڑے بڑے فلاسفر بڑے بڑے دانا ۔ بڑے بڑے عقلمند ۔ بڑے بڑے ذی شعور ۔ اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے دعووں کے مطابق بڑے بڑے عظیم لوگ ہوتے ہیں لیکن مخلوق تصویر ہی میں اُلجھی رہی ۔ یہ انبیاء علیہ السلام کا منصب تھا جنھوں نے کہا تصویر کو چھوڑ دو ۔ مصوّر کو دیکھو جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں کیا وہ انسان نہ تھے جو پتھروں پر سر ٹیکتے تھے جو اپنی اولادیں پتھروں کے سامنے ذبح کرتے تھے خود مٹی کی مُورت لے کر گھڑتے تھے ، بناتے تھے ۔ اُن میں ادیب بھی تھے ۔ شعرا بھی تھے مؤرخ بھی تھے ۔ متکلم بھی تھے بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ بھی تھے بڑے بڑے شعلہ نوا مقرر اور خطیب بھی تھے لیکن بات اس قدر اُلجھ گئی تھی تانا بانا اس قدر بگڑ چکا تھا اس قدر خلط ملط ہو چکے تھے ۔ حقائق اور اس دنیا کی رنگینیوں نے انہیں اس قدر ڈھانپ لیا تھا کہ اسی تصور میں محو تھے ۔ پتھروں کے آگے انسان جھکا ہوا تھا ۔ کیا عجیب بات تھی ۔ کتنا حسرت ناک منظر ہے اور پھر اللہ کریم کی شفقت اور رحمت جوش میں آئی اُس نے اپنی مخلوق کو آوارد ہ جانے ہوئے چھوڑ دینا گوارہ نہ فرمایا ۔

اس دور میں تو اس بات کا تقاضا کرنے والا بھی کوئی نہیں ملتا تھا ۔ کہ یا اللہ ہماری رہنمائی ہی فرما دے ۔ وہ جب دیتے ہیں بن مانگے دے دیتے ہیں بے حساب دیدیتے ہیں خداوند عالم نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ساری کائنات کو ممنونِ احسان کر دیا ۔ اور تو آپ جانتے ہیں ۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہیں سے دیکھیں حضور فرماتے ہیں جعل لی الارض مسجداً وطہوراً اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس دن سے میرے پاؤں زمین پر لگے ہیں مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ نے اسے مسجد بنا دیا ہے ۔ جہاں چاہو سجدہ کر لو ۔ پھر کیا شرف ہو گا ان لوگوں کا جنہوں نے اُن پاؤں پہ بوسے دیئے کیا شرف ہو گا اُن ہاتھوں کا جنہوں نے اُن مبارک ہاتھوں پہ بیعت کی ۔ کیا شرف ہو گا اُن جسموں کا جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کی ۔ اپنا اپنا حصہ ہے اپنا اپنا نصیب ہے ۔ اللہ کریم جب دینے پہ آتے ہیں ۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی ایسے تو مفت میں شرف نہیں ملا تھا۔ کفار جیسے پہرے کے لئے کھڑے ہیں۔ تلوار سونتی ہوئی ہے۔ امکان ہے کہ ہر دم کاٹ کے رکھ دیں گے۔ لیکن اللہ کریم نے فرمایا اگر چاہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کا لطف اُٹھاؤ۔ انہوں نے جان کی بازی لگا کر بھی اس بستر رسول ﷺ کو قبول فرما لیا۔ اور رات بسر کی۔ یہ انہی کا حصہ تھا۔ لیکن بستر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکر صاحب بستر کو حضرت ابوبکرؓ کی گود میں دے دیا۔ اب کون اس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے اور یہ جزوی فضائل ہوتے ہیں میرے بھائی۔ بستر حضرت علیؓ کو دے دیا۔ صاحب بستر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دے دیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی باری آئی۔ صاحب بستر بھی موجود ہے۔ اور بستر بھی موجود ہے۔ اُس کی عطا اور اس کی جود وسخا کے سامنے کون ہے جو بند باندھ دے، کون ہے جو اُسے روک دے کون ہے جو اس کو منع کر دے کسی کا کیا دخل ہے اس کی کائنات میں۔ کوئی خدائی کی تخلیق میں اس کا ساتھی ہے۔ کسی سے اُس نے چندہ لیا ہے کسی سے اُس نے شفقت لی ہے۔ کسی کا اس میں ہے۔ ساری کائنات اس کی اپنی ساری عزت وشرف اس کے اپنے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ الحمد للہ کروڑوں احسان اُس ذات پر بھی اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں جو حد وحساب سے باہر ہے۔ جسے دنیا اور اپنے حبیب کا کلمہ نصیب کر دے ورنہ دیکھتے نہیں ہو لوگ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں مرتے وقت دنیا کے پیچھے سرگرداں ہیں ہسپتالوں میں پیدا ہوتے ہیں ہسپتالوں میں مرتے ہیں نہ پیدا ہونے کے وقت کوئی کلمہ بتانے والا ہوتا ہے نہ مرتے وقت اس ساری فضا میں کسی کو کلمہ آتا ہے نہ کوئی انہیں بتاتا ہے۔ آتے بھی دنیا میں خالی ہاتھ اور جاتے بھی دنیا سے گناہوں کے پلندے لے کر۔ یہ اسی کا کرم ہے کہ ہمیں غریب گھرانوں میں تو پیدا کیا لیکن اشہد ان لا الٰہ الا اللہ سے محروم نہ رکھا۔ یہ اُس کا کرم ہے ہمیں اپنی بارگاہ میں حاضری کی توفیق بخشی۔ یہ اُس کی عطا ہے۔ ہم بھی کچھ حلیہ بنا کر۔ کچھ چوری، کچھ نقل ہی سہی لیکن یا ایھا الذین امنوا کے خطاب میں تو اپنے آپ کو داخل کئے بیٹھے ہیں تو یہ ہے ان عاشقوں کے لئے اُن مجروح قلب لوگوں کے لئے اُن شکستہ دل اور نیم بسمل پروانوں کے لئے محبوب کی صدا کے دل نواز ہے یا ایّھا الذین امنوا عشاق کے دلوں میں رس گھولتی ہے اور جو بے بہرہ ہیں انہیں کیا خبر کہ اس میں کیا راز ہے جو جاننے والے ہیں اُن کے دل تو بیچ اٹھتے ہیں۔ جل ترنگ بجتے ہیں قلوب کی گہرائیوں میں جب آواز آتی ہے یا ایھا الذین امنوا یا الٰہ کیا حکم ہے فرماتے ہیں جب تو نے میری راہ میں محنت کو اختیار کیا۔ جب تو نے مخلوق کے بجائے خالق کا رستہ اپنایا تو نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ تو آمیں تجھے ہمیشہ ہمیشہ ہر لمحہ ہر آن اپنی بارگاہ کی حاضری نصیب کروں۔ یا اللہ وہ کیسے ہوگی۔ اللہ کریم اس کا کونسا طریقہ ہے فرمایا اُذکرو اللہ ذکراً کثیرا۔ یہ بڑا چھوٹا سا دروازہ ہے چھوٹا راستہ ہے سیدھی سی بات ہے ہمہ وقت میرا نام ہو تیرا دل ہو میرا نام ہو تیرا خون ہو میرا نام ہو تیرے رگ و ریشے ہوں کوئی لمحہ خالی نہ جائے۔ کہ تیرے وجود میں میرے نام کی گونج نہ آ رہی ہو۔ یہ محبت کے معاملے ہیں میں نے کہیں پڑھا ہے کہ یہ جو مجنوں تھا نہ مجنوں امام حسنؓ کے ساتھ کہیں

مل گیا وہ تشریف لے جا رہے تھے۔ خلافت سیدنا امیرالمومنین حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد تھی اور وہ جا رہے تھے یہ مجنوں قیس اس کا نام تھا یہ اُن کے ہمراہ تھا۔ اس قدر نشہ نہیں ہُوا تھا اس وقت، تو انہوں نے کہا قیس بھائی کتنی اچھی بات ہے میں نے مسلمانوں کے درمیان کوئی نزاع کوئی جھگڑا نہیں ہونے دیا اور حکومت بھی ایسے شخص کو دیدی جس میں حکومت کی اہلیت ہے۔ قیس کہنے لگا کہ حضرت اصل بات تو کچھ اور ہی ہے۔ خلافت اور حکومت نہ تو امیر معاویہؓ کو سجتی ہے اور نہ آپ سے بن سکتی ہے۔ تو وہ حیران ہو گئے۔ کہ اس نے کونسا نیا طریقہ ایجاد کر لیا۔ کیا کسی نئے آدمی کا نام لینے والا ہے تو انہوں نے حیران ہو کر اس طرف رُخ انور پلٹ کر پوچھا۔ تُو کیا کہتا ہے؟ خلافت کا سزاوار کون ہے تو کہنے لگا اللہ کی قسم۔ سجتی تو لیلیٰ کو تھی۔ تو انہوں نے فرمایا انت مجنون اس وجہ سے ان کا نام ہی مجنوں پڑ گیا۔ فرمایا انت مجنون وہ کہنے لگا چھوڑو، رہنے دو امیر معاویہؓ کی جرأت کو، اور اپنے اس ورع تقویٰ کو بھی رہنے دو، بات سجتی تو میرے محبوب کو تھی۔ ارے یہ عشق کی باتیں ہیں دل میں چوٹ لگے، دل گھائل ہو، دل میں کوئی بستا ہو تو اُس کی طرف کشش بھی تو ہوتی ہے نا پھر ساری خوبیاں، ساری اچھائیاں تمام کا تمام حسن اور سارے کی ساری رعنائیاں اُس ایک ذات میں سمٹ آتی ہیں۔

اور پھر ایسے دیوانے کو، ایسے عاشق کو محبوب پکارے بھی اللہ اللہ یہی اس کی معراج ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ کوئی لمحہ ایسا آ جائے۔ مجھے محبوب پکارے تو یہی تو یہاں اللہ جل وعلا ہے اور ہم اس گئے گزرے زمانے کے لوگ ہیں۔ نہ ہماری عقل صحیح نہ ہماری شکل صحیح نہ ہمارے فکر صحیح اور نہ ہمارے کردار صحیح لیکن پھر بھی ہے کہ عرش عُلا سے تحت الثریٰ تک ایک گونج سنائی دے رہی ہے یا ایّھا الّذین امنوا۔ ایسا اہتمام فرمایا۔ ایسا انتظام فرمایا کہ اُس کے اپنے ملازم اس کی بارگاہ کے چپڑاسی اور چوکیدار گھر گھر دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں اور آواز دیتے ہیں۔

یا ایّھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔ اپنے بندوں کا کس قدر خیال ہے رب العالمین کو کس قدر شفقت ہے اپنی مخلوق پر تو فرماتے ہیں اے میرے طالبو! اے میرے ماننے والو! اے میرے نبی کے چاہنے والو اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔ ہمہ وقت اس قدر کثرت سے ذکر کرو۔ ارکانِ دین میں سے عبادات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہیں جن کا کتاب اللہ نے حکم دیا ہے نماز حج زکوٰۃ روزہ ان کی حدود متعین فرمائی ہیں۔ ان کا مخصوص طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ نماز کے لیئے وضو کا ہونا شرط ہے۔ وقت کا ہونا شرط ہے۔ قبلہ رُخ ہونا شرط ہے اسی طرح علیٰ ہذا روزے کے لیئے شرائط ہیں اسی طرح زکوٰۃ کی شرائط حج کی شرائط ہیں نماز دن میں پانچ بار اجازت دی ہے حاضر ہونے کی نمازی کو اور تیس روزے رکھنے کی اجازت بخشی۔ صاحب وسعت پر زکوٰۃ اور حج کو فرض فرمایا لیکن ہر طالب کے لیئے ذکر کو مامور بہ قرار دیا اور ہمہ وقت وضو ہے ذکر کرو نہاؤ تو ذکر کرو مغرب کو جا رہے ہو تو ذکر کرو مشرق کو جا رہے ہو تو ذکر کرو چلتے ہو تو ذکر کرو۔ بیٹھے ہو تو ذکر کرو۔ حتیٰ کہ سو جاؤ لیکن ذکر کرتے رہو کثیر تو تب ہی ہو گا۔ کوئی قید نہیں کسی حالت کی کسی صورت کی کسی موسم کی، کسی عمر کی، مرد عورت کی کسی قسم کی کوئی قید رب العالمین نے نہیں لگائی ہاں ایک قید ہے کہ وہ اللہ کے طالبوں کی فہرست میں آ جائے۔ یا ایّھا الذین اٰمنوا میں آ جائے۔ بس بات اتنی سی ہے

گوراہو، کالا ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، عالم ہو جاہل ہو کوئی ہو مرد ہو عورت ہو گوشہ نشین ہو پردہ دار ہو سربازار ہو دکاندار ہو، تاجر ہو، حاکم ہو، رعیت ہو کوئی ہو امنوا کی فہرست میں آتا ہے تو فرمایا اذکرو اللہ ذکراً کثیراً۔ اب یہ فعل کثیر جو ہے اسے اعضاء جوارح ظاہری نہیں انجام دے سکتے ہاتھ اور پاؤں سے آپ کتنی دیر ذکر کریں گے۔ اگر آپ اپنے پورے اعمال کو سنت رسولؐ کے تابع بنالیں۔ یاد رکھیں کہ ہر وہ کام جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کیا جائے یہ عمل ذکر ہے۔ عملاً ذکر الٰہی میں داخل ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی بیوی بچوں کو نان ونفقہ دیتا ہے اور اس خیال سے دیتا ہے کہ میرے نبیؐ نے ہمیں یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ ان کا نان ونفقہ تیرے ذمے ہے بال بچے اپنے پالتا ہے اور صدقے کا ثواب اُسے رب دیتا ہے اور سنت رسولؐ کی تعلیم و تعمیل کا ثواب اُسے خدا دیتا ہے لیکن یہ ــــ ہے ہر وقت اس پر کاربند

ہی رہنا معاملات میں آجاتا ہے۔ پھر اگر محنت کر کے کرے تو کسی نہ کسی وقت اعمال منقطع ہو جائیں گے۔ کم از کم ہو جائیں گے۔ کسی سے دنیاوی بات میں لگ جائے گا۔ کوئی اور طریقہ بن جائے گا۔ غافل ہو جائے گا۔ یاد اس طرف نہ رہے گی۔ اس سے آگے بڑھیں آپ تو ذکر لسانی سے ملتا ہے۔ اللہ کریم کی کتاب کی تلاوت، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود، تسبیحات مسنونہ مختلف اذکار، یہ کیا ہے یہ سارے کا سارا ذکر لسانی ہے لیکن زبان ایک ایسا عضو بدن ہے جو تمام ضروریات دینی و دنیاوی کی ترجمانی ہے۔ اسے صرف تسبیحیں ہی نہیں پڑھنی اسے اور بھی بہت کام انجام دینے ہیں۔

یہ بھی اس دل کے خادموں میں سے ہے اور ایک مقصد کے لیئے ہے۔ تو خادم کیسا۔ ہمہ وقت ایک طرف اپنی ڈیوٹی بھی دیتی ہے پھر ایک کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب ان سب کو رخصت بھی مل جاتی ہے ہاتھ بھی بےکار، پاؤں بھی آرام کر رہے ہیں، دماغ بھی سو رہا ہے۔ آنکھیں بھی سو رہی ہیں زبان بھی چپ ہے، سو رہا ہے آدمی پھر تو منقطع ہو گیا۔ تو انسانوں میں کوئی جاگنے والا بھی ہے۔ ہاتھوں میں، پاؤں میں دماغ میں زبان میں کان میں آنکھ میں ناک میں کوئی شے جاگنے والی ہے۔ ایک ہی جو اس سارے وجود کا حکمران ہے اور وہ ہے دل۔ یہ نہ سوتا ہے نہ تھکتا ہے نہ اپنی ڈیوٹی چھوڑتا ہے۔ اور اگر یہ چھوڑ دے تو انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے یہ مسلسل چلتا ہے۔ متواتر کام کرتا ہے دن ہو یا رات ہو صبح ہو یا شام ہو، سفر ہو یا حضر ہو۔ آدمی کھانا کھا رہا ہو یا بات کر رہا ہو، آدمی بھاگ رہا ہو یا سویا ہوا ہو۔ کوئی حال ایسا نہیں ہے کسی زندہ انسان کا کہ اس کا دل سو جائے وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے جو اس کا کام ہے۔ وہ کر رہا ہوتا ہے۔ وہ جاگ رہا ہوتا ہے تو اس بادشاہ سلامت کو کیوں نہ اللہ کے نام پہ لگا دیں کہ یہ نہ سوئے نہ وہ مبارک نام اس کی زبان سے چھٹے پھر تو یہ ذکر کثیر، دن ہو رات ہو سفر ہو حضر ہو، گھر ہو باہر ہو آدمی سولی پہ بھی لٹکا ہوا ہو۔ تو اس سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہی رہے گی۔ حتیٰ کہ انسان زمین میں دفن ہو جائے جسم کے اجزاء گل سڑ بھی جائیں مٹی میں بھی مل جائیں اللہ کی قسم وہ مٹی کے ذرات بھی اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ دنیا میں ذکر الٰہی سے آشنا ہو۔ اسے کچھ واقفیت ہو کچھ جانتا ہو سبحہٗ بکرۃً واصیلا

یہ بھی دوام ذکر پر دلالت کرتی ہے۔ صبح و شام کرنے کا کام اسی وقت
کو کہتے ہیں جب مسلسل کرنا پڑ جائے۔ ایک شعر ہے مرثیہ کا ایک
کا بھائی فوت ہو گیا تو اس نے مرثیہ لکھا عربی میں وہ پانے
کا مرثیہ ہے۔ اس سے سند لاتے ہیں سب سے

اذکرنی طلوع شمس وصخرا
واذکرہ بکل غروب شمس

تو گویا اس نے اپنی اس ہمہ وقتی یاد کی دلالت کی ہے
میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں سبحانہ بکرۃً
واصیلا۔ سورج اگر جھانک کر صبح کے روزن سے دیکھے
تو تجھے اللہ کا ذکر پائے اگر دنیا پر آخری نگاہ ڈالتا ہوا
مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو تو بیٹھا ہوا اپنے محبوب
کے نام کو سینے سے لگائے ہوئے ہو۔
فسبحہ بکرۃ واصیلا۔ اتنا ذکر۔ اتنی رحمت اتنی
شدت۔ بار الٰہ۔ فرمایا بات یوں نہیں ہے کہ تجھے ہی ذکر کے
لئے کہہ دیا۔ او پاگل بات ایسی نہیں ہے ھو الذی یصلی
علیکم میں وہ رب ہوں جو ہر وقت تجھ پر رحمت اور برکات
کی بارشیں برسا رہا ہوں۔ کوئی لمحہ، کوئی آن، کوئی گھڑی تو میری
رحمت سے محروم نہیں ہے تو میرے ذکر کو کیوں چھوڑتا ہے
پھر اس لمحے تو تو چھوڑ ہی دے جب میرے انعامات تجھ
پر نازل ہو رہے ہوں۔ لیکن تو سوتا ہے تو قدرت باری تیری
نگہبان ہے تو اٹھتا ہے تو تیری محافظ ہے۔ جینے میں
مرنے میں، کھانے میں پینے میں، بات کرنے میں چلنے
میں، آنے جانے میں کوئی وقت ایسا میں نے تیرا ایسا نہیں
چھوڑا جہاں میری رحمتیں تجھے محیط نہ ہوں جب ہمہ
وقت نعمت کا محتاج ہے تو میرے بندے ذکر بھی ہمہ
وقتی اختیار کر۔
اللہ کریم فرماتا ہے میں وہ رحیم ہوں کہ اس نوری مخلوق
کو جسے میں نے گناہوں سے پاک پیدا فرمایا ہے جن میں
نفوس نہیں رکھے جن میں گناہوں کی استعداد نہیں رکھی
جنھیں نفس پیٹ کھانے کے لیے یا ایسی گرمی سردی یا ایسی
ضروریات سے پاک رکھا ہے، نہ انہیں گرمی کی ضرورت ہے
و سردی کی، نہ نیند آتی ہے، نہ بھوک لگتی ہے، نہ بال بچہ ہے
نہ گھر بار ہے اپنا تو سب کچھ نہیں ہے پر جب تو فرش زمین پر
بیٹھ کر اللہ العالمین کو پکارتا ہے تو میں ان سب کو بھی تیرے
لئے طلب مغفرت پر لگا دیتا ہوں۔ وملائکتہ، تو تمام فرشتے
تیرے لئے مغفرت رحمت اور بخشش طلب کر رہے ہیں
لیخرجکم من الظلمات الی النور تاکہ بشریت کی اور
دنیاوی کثافتوں اور ظلمتوں سے برائیوں سے، اخلاقی برائیوں
سے، اعتقادی برائیوں سے، عقلی برائیوں سے، فکری
برائیوں سے نظری برائیوں سے، عملی برائیوں سے تمام
اندھیروں سے نکال کر تجھے اللہ کے نور ہدایت پر گامزن کرنا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اللہ کرنے کی توفیق عطا
فرمائیں۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھنا ضروری ہے
ورنہ جواب مشکل ہے (ادارہ)

# تصوّف و سلوک کی اہمیّت اور

# مسلک اہلِ سُنت والجماعت

یہ تقریر استاذ مکرم حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہٗ نے منگچر ضلع قلات کے مقام پر علمائے کرام کے ایک مجمع میں فرمائی

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہ . . . محمد عبدہٗ و رسولہٗ - اما بعد فقد قال اللہ فی القرآن المجید والفرقان الحمید۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ وقد قال اللہ تعالےٰ ۔ ھُوَ الذی بعث فی الاُمّیین رسولا . . . . وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ (صدق اللہ)

ہم اپنے آپ کو اہلِ سنت والجماعت کہتے ہیں۔ اہلُ سنت والجماعت وہ جماعت ہے۔ وہ مذہب ہے جس نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھال لیا ہے۔ ہمارے چار فقہی مذاہب نے یعنی شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی نے نبوت کا ظاہری پہلو سنبھال لیا ہے اور ہمارے چار سلسلوں نے باطنی پہلو جو نبوت کا ہے اُس کو انہوں نے سنبھال لیا ہے۔ اس کو کہتے ہیں اہلِ سُنت والجماعت جنہوں نے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہے۔ اگر کوئی شخص ظاہری پہلو کو سنبھال لے۔ اُس کا وہ وارث بن جائے او تو انصیبًا من الکتاب اُس کو کتاب سے حصہ ملا۔ چونکہ ظاہری پہلو نبوت کا یہ علوم نبوت سے عبارت ہے قرآن کریم حدیث نبوی ﷺ لیکن یہ جو ظاہری پہلو ہے۔ اس کو ہر اک انسان حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کو حدیث نبوی ﷺ کو سکھ، ہندو، یہودی عیسائی یہ سارے پڑھ سکتے ہیں۔

باطنی پہلو کو تعبیر کیا جاتا ہے نورِ نبوت سے، آدمی مسلمان بھی ہو ایماندار بھی ہو لیکن بدکار ہو تو یہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کے سمجھنے کے لیئے ضرورت اس چیز کی ہے کہ ظاہری پہلو کبھی کبھی منسوخ بھی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سمجھ لو کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا علیہ الصلواۃ والسلام آخری وقت میں نازل ہوں گے اُس کا تعین تو اللہ تعالےٰ کرتا ہے کیونکہ شبِ معراج

میں جس وقت آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے ہیں اس بحث کو ابن جریرؒ نے اور ابن کثیرؒ نے اور دُرِّ منثور نے بڑا مفصل بیان کیا ہے کہ قیامت کا مسئلہ بھی ان کے سامنے پیش ہوا تھا تمام انبیاء نے انکار کیا کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ لا علم بس یہی کچھ کہتے تھے عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جس وقت یہ مسئلہ پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا اور تو مجھے علم نہیں۔ لیکن اتنا مجھے علم ہے جب میں زمین پر نازل ہوں گا (اتروں گا)، اس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی اور عیسیٰ علیہ السلام آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آئیں گے اور وہ درجہ صحابیت کا رکھتے ہیں کہ حضور کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ اُن کو بیت المقدس میں اور اُن کا ظاہری پہلو جو نبوت کا ہے ختم ہو جائے گا۔ انجیل منسوخ ہو چکی ہے موقوف ہو چکی ہے۔ اس پر کوئی عمل نہ ہوگا اس لئے ظاہری پہلو نبوت کا بالکل ختم باطنی پہلو نبوت کا بالکل اسی طریقے پر قائم ہوگا۔ بخاری میں موجود ہے کہ یاجوج ماجوج کے قصے میں یہ حدیث بھی آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت یہ نکلیں گے۔ وہ سدِ سکندری کو توڑ کر باہر آئیں گے اُس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ کی طرف وحی کرے گا کہ میرے بندوں کو لے کر کوہِ طور پہاڑی پر چلے جاؤ۔ وحی کا سلسلہ بدستور باطن کے ساتھ رہے گا۔ رہا اس میں کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وقت حاضر ہوں گے قرآن کریم انہوں نے پڑھا ہوا نہیں۔ حدیث نبوی سے واقف نہیں۔ تو آسمان پر بیٹھے ہیں اس لیے الحاوی للفتاویٰ میں علامہ سیوطی نے دوسری جلد میں اس کو بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے فرماتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوگا۔ میری قبر پہ آئے گا اور مجھ سے بات چیت کرے گا۔ تو میں اس کو جو مسئلہ یا جو سوال وہ پیش کرے گا۔ میں اس کا جواب دیا کروں گا۔ بعض کہتے ہیں نہیں الہامی یا القائی طور پر۔ آسمان پر سکھا دیا جائے گا اور سیکھ کر کے آسمان سے زمین پر آئے گا۔ یہ دو اقوال ملتے ہیں۔ حیات الانبیاء میں جو مسئلہ دیوبندیوں نے پیش کیا ہے۔ یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ یہ نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہری پہلو نبوت کا ختم ہو جائے گا۔ لیکن باطنی پہلو بدستور رہے گا۔ اس طریقے سے ہمارے چار سلسلوں نے باطنی پہلو نبوت کا جو نورِ نبوت ہے اس کو انہوں نے حاصل کر لیا۔ اور ظاہری پہلو کو آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور قرآن کو یہ علماء ظواہر نے چاروں مذہبوں نے اس کو حاصل کر لیا۔ یہ سب مرکب ہو کر اس کو کہتے ہیں اہل سنت والجماعت۔ شاہ عبد العزیزؒ صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں۔

شیعوں کے مقابلے میں جب بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہی اس کو ہیں جو نبوت کے دونوں پہلو سنبھال لیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں لکھا ہے اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام ایک درخت ہے شجر ہے۔ جس کا تنا بھی ہے جڑیں بھی ہیں اس کی شاخیں بھی ہیں اس پہ پھل بھی لگتا ہے۔ فرماتے ہیں یہ تنا اور جڑیں جو ہیں یہ عقائد ہیں۔ اور اس کی شاخیں درخت کی جو ہیں اور پتے ہیں خار کانٹے وغیرہ یہ کیا ہیں فرعی مسائل ہیں۔ اس پر جو پھل لگتا ہے اس کو تصوف کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے متکلمین نے اصولی مسائل سے بحث کر کے ہمیں مستغنی کر دیا ہے جس قدر بھی اصولی مسائل تھے وہ سب اُن پہ بحث کر کے ان کو مکمل کر دیا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے

کہ خیر القرون کے دور میں یہ چیزیں قلمبند ہو چکیں۔ عقائد بھی معاملات بھی عبادات بھی سارے خرقِ عادات، عادات سارے کے سارے تین سو بیس سال میں یہ سارے ہو چکے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ہے۔ کہ اپنی تحقیق کو کوئی شخص متقدمین سے آگے نہ بڑھائے۔ اُن کے ذہن صاف تھے۔ زمانہ حضور کا بہت قریب تھا۔ ہم بہت دُور ہو چکے ہیں اندھیرے میں پڑ چکے ہیں۔ ہماری تحقیق وہ دماغ ہم نہیں رکھتے جو متقدمین کا تھا۔ سلف صالحین سے آگے نہ بڑھائے اپنی تحقیق کو وہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے فروعی مسائل سے بحث کر کے ہمیں مستغنی کر دیا ہے۔ صوفیاء کرام نے جو پھل درخت پر لگا ہے جس کو قرآن کریم خلوص سے بیان کرتا ہے۔ حدیث جبرئیل میں احسان سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے اور اُس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی تعبیر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل ؑ نے سُن کر دریافت کی کہ ایمان کیا چیز ہے ما الایمان۔ آپ نے بیان کیا۔ اس کے بعد اسلام کے متعلق اس نے سوال کیا۔ آپ نے بتایا اسلام اس چیز کو کہتے ہیں۔ پھر احسان کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اس کو صوفیائے اور محدثین کرام نے احسان کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ حدیث ہرقل میں اس کو بشاشت قلوب سے تعبیر کیا ہے اور اس حدیث میں احسان کے ساتھ۔ اور قرآن کریم خلوص سے اس کو بیان کرتا ہے۔

آقائے نامدار محمد رسول اللہؐ نے جس وقت فاروق اعظم سے دریافت کیا۔ کہ آپ کو پتہ ہے کون آدمی تھا یہ سائل جس نے سوال کیا فرمایا اللہ و رسولہٗ اعلم۔ میں اس کو نہیں جانتا فرمایا اللہ و رسول اس کو بہتر جانتے ہیں فرمایا جاء جبرئیل یعلمکم دینکم یہ جبرئیل تھا۔ تمہیں دین سکھانے کے لئے تمہارے پاس آیا تھا۔ دین کے سکھانے کے لئے تقریباً یقیناً تو نہیں دس بارہ دن آپ کی مرضِ موت سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔ دس بارہ دن پہلے جبرئیل ؑ آئے انہوں نے آکر سوال کیا تو اس وقت پتہ چلا کہ تصوف جو ہے یہ بھی دین کی جزو ہے۔ بلکہ یہ روح ہے اسلام کا۔ اسکے لئے جو میں نے آیت پڑھی ہے۔ اس میں اس کی تعیین ہوتی ہے نبوت کے فرائض سے اور آپ کے وظائف سے تین وظیفے اللہ تعالےٰ نے بیان کئے ہیں اس جگہ قرآن کریم کی اس آیت میں تلاوت، تعلیم حکمت اور تعلیم کتاب اللہ اور اس کے بعد فرمایا ویزکیھم تزکیۂ نفس، یہاں آخر پہ بیان کیا ہے۔ دوسری آیتوں میں اول میں بیان کیا ہے تلاوت کے بعد تزکیۂ نفس کو بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء و انتہا میں یہی چیز مقصود ہے۔ تلاوت کتاب اپنے مقام پر بہت اہم چیز ہے۔ بہت بڑی چیز ہے۔ لیکن یہ تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے لئے دیباچہ اور مقدمہ بنتی ہے۔ اساس اور مقدمہ بنتی ہے اور تعلیم وہ بھی تمہید ہے تزکیہ نفس کی۔ یہ تینوں وظائف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں خود سنبھال لئے تھے تلاوت، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت۔ یعنی کتاب اللہ کے معنی سکھانا تفسیر بیان کرنا۔ حدیث کے معنی بتانے اس کی شرح بیان کرنا اور تزکیہ نفس آپ کی صحبت سے حاصل ہو جاتا تھا۔ تینوں وظائف آپ کی زندگی میں خود آپ نے سنبھالے ہیں۔

چونکہ آپ نے تمام شعبے جس قدر دین کے تھے سارے کے سارے آپ نے سنبھالے ہیں۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات رکھے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی تیرھویں جلد میں نقل کرتے ہیں۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر انسانی کمالات تھے تمام کے تمام عطا کر دیئے اس کے بعد وہ خلفائے راشدین تک گئے عمر بن عبدالعزیز تک پہنچے ہیں بعض علماء نے امام شافعیؒ کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ بعض نے نکالا ہے اور کہا ہے کہ ان کو حکومت نہیں ملی۔ باقی کمالات ان میں موجود تھے۔ لیکن حکومت سے مبرا تھے کیونکہ آپ کی تعلیم جو تھی اس میں جج بھی پیدا ہوئے مجسٹریٹ بھی پیدا ہوئے تحصیلدار بھی پیدا ہوئے اسی تعلیم سے سپاہی بھی پیدا ہوئے۔ خالدؓ بن ولید جیسے ابوعبیدہؓ ابن جراحؓ جیسے حضرت قعقاعؓ سعد بن ابی وقاصؓ جیسے۔ عکرمہؓ بن ابوجہل کی طرح جرنیل بھی اسی تعلیم سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور عادل بادشاہ عادل حاکم جو زمین کے منہ نے دیکھے نہیں اور آسمان کی آنکھ نے صدیقؓ فاروقؓ عثمانؓ علیؓ کی طرح اسی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں تعلیم ایک ہوتی تھی وہ چٹائیوں پر بیٹھے ہیں سارے تعلیم ایک ہو رہی ہے اسی میں قاری بھی پیدا ہو رہے ہیں، حافظ بھی پیدا ہو رہے ہیں عالم بھی پیدا ہو رہے ہیں، مفتی بھی اور مدرس بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ مبلغ بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ خلفائے راشدین کا دور گزرا ہے یہ امانت امت کے کندھوں پر رکھ دی گئی۔ اس امانت کے امین امت محمدیہ کے علماء پھر ہم نے دیکھا ہے بعض بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے تینوں شعبوں کو سنبھال رکھا تھا۔ تلاوت اور تفسیر قرآن بھی اور شرح حدیث بھی اور تزکیہ نفس بھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تو اس میں ہر شعبہ کو علیحدہ علیحدہ، پھر قاری علیحدہ علیحدہ ہو گئے انہوں نے قرأت کو سنبھال لیا۔ مفسر علیحدہ ہو گئے محدث علیحدہ ہو گئے۔ صوفیاء کی جماعت علیحدہ ہو گئی ابن خلدون لکھتا ہے کہ جس وقت تصنیف کا دور آیا ہے تو ہر ایک نے قلم اٹھائی اپنے اپنے فن پر نحویوں نے نحو کو قلم بند کیا۔ صرفیوں نے صرف کو، منطقی شروع ہو گئے محدث بھی پیدا ہو گئے انہوں نے حدیث کو مدون کیا فقہا پیدا ہوئے اسی طرح صوفیوں نے بھی علیحدہ اپنے فن کو قلمبند کیا ہے انہوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر لکھتا ہے ان کی جو کتاب ہوتی ہے ان کی کوئی شرح کرنے لگے صوفی کے علاوہ تو اس کی شرح وہ نہ کر سکے گا کیونکہ اس کی سمجھ میں نہ آئے گی میں نے دیکھا ہے مثنوی کی شرح لکھی ہے کسی عالم نے لیکن اتنی غلطیاں کی ہیں جس کی حد نہیں کیونکہ وہ تصوف سے واقف نہیں یہ فن علیحدہ ہے اس فن کے لئے

انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں لکھتے ہیں لکل فن رجال ہر فن کے لئے مرد ہوتے۔ یہ مسئلہ انہیں سے سیکھے جیسے فن معلوم ہے تو صوفیاء کرام تھا اپنی جگہ بیٹھ کر محدثین کرام نے اپنی جگہ بیٹھ کر اور مفسرین نے اپنی جگہ بیٹھ کر فقہا نے اپنی جگہ بیٹھ کر امت محمدیہ کی رہنمائی فرمائی صوفیاء نے خاموشی سے بیٹھ کر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء ظواہر جو ہیں وہ ظاہری اعضاء پر حملہ کرتے ہیں نماز شروع کرائی روزہ چھوڑ دیا۔ نماز پڑھی ہے، حج زکوٰۃ چھوڑ دی۔ اور جرم کیا۔ صوفیاء کا سید ھا حملہ دل پہ ہوتا ہے جس وقت اس کی اصلاح ہو جائے۔ سارا بدن ٹھیک

ہو جائے گا۔ سینہ کو صدر کیوں کہتے ہیں اس لئے کہ یہ مقام ہے۔ یہ قلب جو ہے یہ خون کا لوتھڑا مُراد نہیں ہے۔ قرآن کریم، حدیث نبوی میں جہاں جہاں بھی اس کا ذکر آیا ہے ذکر قلب کا ہوتا ہے احکام روح کے بیان ہوتے ہیں یہ لوتھڑا کتے کا بھی ہے، بلی اور چوہے کا بھی ہے یہ درندے پرندے کا بھی ہے۔ اس کے ساتھ چونکہ روح کا تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے ذکر جب قلب کا ہوتا ہے احکام روح کے ہوتے ہیں اس کی اصلاح ہو جائے یہ ٹھیک ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو پھر عقائد میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اعمال میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر باطن صاف نہ ہو۔ یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دین کے تینوں ارکان حدیث جبرئیل سے ثابت ہوتے ہیں یہاں بھی اگر اس تصوف کو نکال دیا جائے تو اُمت محمدیہ عہدہ برا نہیں ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس امانت کے امین بنا کر ان کو گئے ہیں مولانا ادریسؒ نے بخاری کی جو مشکلات لکھے ہیں اُن میں لکھتے ہیں کہ مغرب کی نماز کی تین رکعت ہیں اور وتروں کی بھی تین رکعت ہیں۔ اگر ایک رکعت انسان چھوڑ دے تو نماز نہ ہوگی۔

اسی طرح تصوف بھی چھوڑ دیں تو دین ناقص ہو جائے گا۔ یہ روح اسلام ہے دین کا روح ہے مذہب کا روح ہے اسلام کا روح ہے اس لئے کہ تین رکعت سے اگر ایک چھوٹ جائے تو نماز ناقص ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ انکار ہی کر دیا جائے اس تصوف سے۔ مرض اس وقت بڑھتی ہے جس وقت انکار ہو جائے حکیم نہ رہے۔ ڈاکٹر ختم ہو جائے کوئی بھی نہ رہے تو پھر اس وقت مرض بھی بڑھ جاتی ہے یقیناً بات ہے کہ جس وقت یہ مراقبہ خانہ خالی ہو گئے ہیں۔ اللہ والے اللہ اللہ کرنے والے رات کے وقت اُٹھ گئے تو تصوف اجنبی چیز معلوم ہونے لگی۔

آج آپ دیہاتوں میں جا کر دیکھیں عشاء کی نماز کے وقت ایک آدمی نہیں ملتا مسجد میں سحری کے وقت کوئی بندہ نہیں ملتا جو مسجد میں آکر تہجد پڑھے۔ پھر خاص کر جائے اور ریڈیو نے تو حد کر دی صبح کی نماز کے بعد ہم دیکھتے تھے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے کھجوروں کی گٹھلیاں لے کر ان پر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اب بس سلام پھیرا۔ چلو جی جائیے، ریڈیو (بغل میں) قرآن کریم سینوں سے گیا بغلوں سے گیا۔ ریڈیو گانا بجانا ان کی جگہ آگیا۔

اس لئے صوفیائے کرام نے نہایت خاموشی سے بیٹھ کر مخلوق کی رہنمائی کی۔ مخلوق کو جو اللہ سے دور ہو چکی ہے اس کو واصل کیا اللہ والا بنایا اور اللہ سے روشناس کرایا چونکہ اصل مقصد ہی یہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں سورۃ فاتحہ میں لکھتے ہیں، کہ قرآن کریم سے پہلے جو کتابیں اُتری ہیں مثال کے طور پر ایک سو چار کتابیں ہیں سو کتابوں کا جس قدر بھی خلاصہ تھا وہ تورات زبور، انجیل میں آگیا۔ تورات زبور، انجیل کا خلاصہ سورۃ البقرہ میں آگیا ہے۔

کیوں علماء پڑھاتے ہیں اڑھائی پارے ۔ بیضاوی کے اڑھائی پارے رکھے ہیں کہ اگر کوئی پڑھانے والا ہو صحیح ہو تو سورہ بقرہ پڑھنے کے بعد سارا قرآن کریم حاصل ہو جاتا ہے ۔ سورۃ البقرہ کا خلاصہ سارے کا سارا سورۃ الفاتحہ میں آجاتا ہے ۔ سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ میں آجاتا ہے ۔ اور بسم اللہ کا خلاصہ اس ب میں ہے جو ب تلبس کی ہے ۔ غرض کیا ہے انبیاء کے بھیجنے کی ۔ کتابوں کے نازل کرنے کی ۔ علما کو پیدا کرکے ان کو علم دے کے ان کی تبلیغ کا خلاصہ کیا ہے کہ العبد واصل بن جائیں ۔ خدا سے چمٹ جائیں ب تلبس کی ۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مجھے یاد آتا ہے ۔ مثنوی میں مولانا روم نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کسی وقت پانی پر سے اترے تھے دیکھا ایک آدمی بھیڑ بکریاں چرا رہا ہے وہ اپنی حالت مستی میں کہہ رہا ہے ۔ ربّا آپ کی بیوی کوئی نہیں ۔ بچے کوئی نہیں ماں کوئی نہیں ۔ آپ کا سر میلا ہو گیا ہوگا ۔ بال میلے اور چکٹ گئے ہوں گے آپ کے پاؤں پر میل چڑھ گیا ہوگا ۔ آج اگر آپ آجاتے تو میں بھیڑ بکریوں کے دودھ سے آپ کا سر دھوتا ۔ آپکے پاؤں سے میل اتارتا ۔ اسی حالت میں لگا ہوا ہے ۔ یہ الفاظ خدا کی شان میں بظاہر کفریہ ہیں لیکن وہ چونکہ سکر کی حالت میں تھا ۔ معذور تھا ۔ مستی میں تھا ۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں محمود غزنوی جس وقت پہنچا تھا ۔ اس وقت وہ ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا ۔ خاص کر کے سومنات پر ابو الحسن خرقانی کی خدمت میں پہنچا ۔ خراسان کے علاقہ میں اس وقت وہ بالکل تن تنہا تھے جھونپڑی میں بیٹھے تھے ۔ شہر سے باہر خندق یعنی کچھ گڑھا کھود کے اس پر جھونپڑی تھی اس میں انہوں نے ڈیرہ لگایا ہوا تھا ۔ انہوں نے وزیر اعظم کو بھیجا اس نے جا کر سلام کیا لیکن شیخ نے نہ دیکھا اور نہ ہی سلام کا جواب دیا یہ سنکر محمود نے کہا ہمارے دل میں جو چیز ہے وہ غلط ثابت ہوئی ۔ یعنی دنیا کا کوئی شائبہ ہوتا تو وہ آجاتا ۔ پھر کہا اب دوبارہ پھر جاؤ اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر السلام علیکم کہنا اور پھر یہ پڑھنا یا ایھا الذین امنوا الخ جس وقت انہوں نے اس آیت کو پڑھا تو وہ مراقبے کی حالت میں تھے ۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ان کو فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی ہے ابھی رسول تک نہیں پہنچا اولو الامر کا تیسرا درجہ ہے فرماتے ہیں یہ کفریہ کلمات ہیں ۔ لیکن چونکہ وہ سکر کی حالت تھی معذور ہیں ۔ جس طرح ایک صحابی کے منہ سے نکلا تھا اللھم انت عبدی وانا ربک ۔ یہ حالت سکر کی ہے اے اللہ تو میرا بندہ ہے ۔ میں تیرا خدا ہوں ۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جب اس سے پوچھا ۔ تو فرمایا تو تو کافر ہو چکا ہے ۔

خدا کے اعضاء ثابت کر رہا ہے ؎

وحی آمد سوئے موسیٰ از الٰہ
بندۂ ما را زما کردی جدا

فوراً وحی آئی اے موسیٰ علیہ السلام میرا بندہ میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ تُو نے مجھ سے جدا کر دیا۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

میں نے تو آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ جو مجھ سے کٹ چکے ہیں اُن کو میرے ساتھ جوڑ دو۔ یہ نہیں کہ جو جڑے ہوئے ہیں ان کو کاٹ کر (علیحدہ) کر دو۔

ہر کسے را اصطلاح دادہ ایم

میں نے ہر ایک آدمی کو اپنی اپنی زبان دی ہے

سندھیاں را اصطلاح سندھ مداں
ہندھیاں را اصطلاح ہند مداں

سندھی اپنی زبان میں مجھے یاد کرتے ہیں اور ہندی اپنی زبان میں مجھے یاد کرتے ہیں یہ اپنی زبان میں لگا ہوا ہے تو خلاصہ کیا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے۔ سارے انبیاء کے آنے کا مطلب اور کتابوں کے نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق جو خدا سے کٹ چکی ہے اُسے خدا سے جوڑ دیں۔ اور یہ نہیں ہوتا جب تک تزکیہ نفس نہ ہو جائے۔ قلب کی اصلاح نہ ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ الا ان فی الجسد ... الا وھی القلب بدن میں ایک ٹکڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے اور وہ فاسد ہو جائے تو سارا بدن برباد ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ قلب ہے، دل ہے اس کی اصلاح کرلو۔ میں تقریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں میری طبیعت خراب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب کس کو کہتے ہیں جس نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھال لیا ہے اب ذرا دیکھ لو اس کو۔ حدیث کا موضوع کیا ہے۔ حدیث سے غرض کیا ہے حدیث کی تعریف کیا ہے۔

موضوع حدیث ہے ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث رسالت و نبوت۔ حدیث سے غرض کیا ہے۔ غرض حدیث سے سعادت دارین کہ دونوں جہان ٹھیک ہو جائیں۔ تعریف حدیث کی ہے اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اقوال۔

حدیث معراج کو دیکھو کیا مشکوۃ میں یہ حدیث موجود نہیں۔ فرمایا اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دینا ان کو کہنا جنت چٹیل میدان ہے اس میں کوئی درخت نہیں کوئی حوریں نہیں کوئی نہریں نہیں کوئی درخت نہیں۔ آپ کے عمل ہی حوریں بنیں گے۔ حوریں بھی عمل ہیں درخت بھی یہاں کے عمل ہیں۔

۔ یہ میرا پیغام پہنچا دینا بات چیت ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی واپسی پر وہاں بھی دیکھے اوپر بھی دیکھے۔ کیا یہ مشہور تواتر تک یہ بات پہنچی ہوئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بار بار

حضورؐ کو لوٹایا کہ میں تجربہ کر چکا ہوں، دیکھ چکا ہوں، آپ کی اُمت بہت کمزور ہے یہ پچاس نمازیں برداشت نہیں کریں گے۔ اللہ سے تخفیف کا جا کر سوال کریں بار بار جاتے رہے اسی کو استفادہ کہتے ہیں۔ یہ کلام ہوتی گئی کیوں ہوئی یہ جو کچھ ہوا ہے کیا اس کے ہم مکلف؟ نہیں یہ حضور کی حدیث نہیں۔ یہ فعل یہ قول حضور کا جو کچھ آپ نے کیا ہے دیکھا ہے حتیٰ کہ پھر واپس پر آئے تو قریش کے سامنے جس وقت بات ہوئی۔ وہ چڑ گئے۔ پھر ابوجہل نے اُٹھایا اس بات کو کہ دیکھو یہ کہتا ہے رات کو گیا ہوں۔ عشاء تک تو یہاں موجود تھا اور صبح بھی یہاں موجود ہے کہتا ہے میں بیت المقدس میں گیا ہوں بیت المقدس دیکھ آیا ہوں آسمانوں پر گیا ہوں کیا صدیق اکبرؓ کو نہیں بلایا تھا کہ یہ آپ کے صاحب کیا کہتا ہے فرمایا جو کچھ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے سچ ہے۔ آسمانوں کی خبریں پہلے دیتے ہیں ہم تصدیق کرتے ہیں تو یہ بات کوئی بعید ہے پھر فرمایا سوال انہوں نے کیا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کریں تو میں نے رات کو دیکھی تھی میں بیت المقدس کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ میں مصروف تھا انبیاء کرامؑ کے ساتھ اذان ہوئی جماعت کھڑی ہو گئی۔ اس انتظار میں کہ آگے امام کون بنے گا۔ جبرئیلؑ نے میرا بازو پکڑ کے آگے کھڑا کر دیا سکندر نامے میں مولانا نظامی نے لکھا ہے ؎

درآں شب کہ آں امام الانبیاء شد
ہمہ پیشنیاں را پیشوا شد

فرماتے ہیں کہ میں اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا جس وقت مجھ پہ یہ سوال پیش ہوا تھا میں بڑا پریشان ہوا۔ میں نے تو رات کو دیکھی تھی، میں کس طرح بیان کر سکتا ہوں بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا گیا جو چیز وہ پوچھتے تھے میں گن گن کر وہ سناتا تھا۔ ذرا ذرا میں نے ایک ایک پتھر گن گن کر ان کو سنا دیا۔ نلانی چیز، نلانی چیز۔

ضلع جھنگ میں میری تقریر تھی شیعوں کے خلاف ڈیرے پہ آئے تو میں نے اس میں واقعہ بیان کر دیا تھا سید احمد رفاعی کا، کہ جس وقت وہ روضہ اطہر پہ حاضر ہوئے ہیں انہوں نے شعر پڑھے تھے یا رسول اللہ میں پہلے تو درود، دور سے سلام بھیجتا تھا آج میں خود حاضر ہو گیا ہوں آپ ہاتھ باہر نکالیں کہ میں اس کو بوسہ دوں۔ تو ہاتھ مبارک باہر آیا وہاں ایک غیر مقلد بھی بیٹھا تھا وہ ڈیرے پہ پہنچا تو اس نے کہا کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ ہاتھ باہر آیا اور سید احمد رفاعی نے بوسہ دیا۔ اس واقعہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی بھی موجود تھے دوسرے یہ جو فقہا دیکھتے ہیں یہ آپ کے فقہا جو لکھتے ہیں فتویٰ دے کہ بیت اللہ چل کر اولیاء اللہ کی زیارت کرتا ہے بیت اللہ پتھروں کا بنا ہوا نہیں۔ میں نے کہا پتھروں کا بنا ہوا ہے تو جب بیت اللہ وہاں سے چلے اور وہاں کوئی موجود نہ ہوگا۔ تو طواف کیسے کریں گے پتھر ہلنے سے گر نہیں جاتے۔ تو میں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیئے جب بیت المقدس اٹھا کر وہاں سے یہاں رکھ دیا تو کیا وہاں موجود تھا اس کے پتھر کیوں نہیں گرے جو جواب آپ اس کا دے دیں گے اولیاء اللہ کا ہم جواب وہی دیں گے

دوسرا واقعہ سید احمد رفاعی کا میں نے اسے کہا ناراض نہ ہونا میں جواب دیتا ہوں۔ یہ تو بتایئے کہ آپ کی والدہ اور والد کے نکاح کے گواہ کتنے تھے۔ کہا دو، دو گواہ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا دو گواہوں سے نکاح ہو جاتا ہے اور اولاد حلال ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا نوے ہزار آدمی جس کی شہادت دیتا ہے وہ جھوٹا ہے اور آپ کے والد اور والدہ کے نکاح کے دو گواہ کافی ہیں۔ سید احمد رفاعی کے اس واقعہ کے نوے ہزار گواہ ہیں۔ اچھا بات تو یہ ہے جس نے دیکھا ہو شامی میں یہ واقعہ موجود ہے کہ اولیاء کی زیارت کے لیئے کعبہ جاتا ہے جس کی کیفیت ہم نہیں سمجھ سکتے مثالی شکل میں چلا جاتا ہے تو بہر حال یہ حدیثیں موجود ہیں ان پر ہمارا عمل ہے کیا یہ حدیثیں جھوٹی نہیں چلیں گر نہیں چلیں سنت مر نہیں چکی اس سنت کو زندہ کرنے والا کیوں شہید ہونے کا مستحق نہیں ثواب کا مستحق ہے حقدار ہے یا نہیں یعنی اتنا بڑا دفتر کا دفتر پڑھ جانا۔ دیکھنا اور پھر اس کو پس پشت ڈال دینا یہ چیزیں نور نبوت سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہم نے شرح عقائد خیالی پڑھیں استادوں نے پڑھائی پہلا کیف کان

اس پر اعتراض کر کے گفتہ پھر استادوں کو روک رکھا تھا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وقت پہلے وحی لے کر آتا ہے تو نبی کریم ؐ کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ جبرئیل ہے جب کہ آپ نے اس کو دیکھا نہیں آپ کو اس کا علم نہیں، کیا خبر شیطان القا کر رہا ہے یا کوئی جن بھوت ہے کون بلا ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ جبرئیل ؑ ہے ان کو کس طرح پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بات تصوف سیکھنے کے بعد معلوم کرنا آسان ہو جاتی ہے۔

یاد رکھو ایسے لوگ دنیا سے نابود ہو چکے ہیں شیخ اور مرید کی آپس میں مناسبت نہ ہو تو اسے فیض نہیں ہو سکتا انبیاء معصوم اس لیئے قرار دے دیا گیا ہے جبرئیل فرشتہ معصوم، انبیاء معصوم۔ ظاہراً و باطناً۔ یہ آپس میں نسبت ہے کہ وہ اس سے فیض لیں۔ یہ ہے کشف تام، انبیاء کا کشف تام ہوتا ہے۔ اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ صوفی کا کشف تام نہیں ہوتا۔ ناقص ہوتا ہے اس میں غلطی لگتی ہے نبی ؑ کے سامنے حقیقت کھل جاتی ہے کشف سے جبرئیل ؑ ہے کلام کون کر رہا ہے میرے ساتھ جبرئیل ہے اور اس کی پہچان اس طرح ہو جاتی ہے۔ کسی شیطان کی کلام ہو کسی جن بھوت کی کلام ہو خوف پیدا ہو جاتا ہے بال کھڑے ہو جاتے ہیں بدن انسانی پر اندر بیٹھا ہے انسان صوفی ہے اللہ اللہ کر رہا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ملائکہ آجائیں خوشی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی کے پاس جبرئیل علیہ السلام آپ کے دل پر القا کرتا تھا وانہ لتنزیل من رب العلمین نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من المنذرین۔ بلسان عربی مبین۔ قرآن کو ہم نے اتارا ہے اور جبرئیل ؑ نے آپ کے دل پر آکر اتارا ہے۔ یہ کان نہیں سنتے ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اترتے وقت دوسری طرف آرڈر آگیا ہے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ

نہیں پڑھ سکتے۔ آپ لا تعجل بالقرآن ... وحیہ جب تک وحی پورا نہیں ہو جاتا اس وقت تک زبان سے نہ پڑھو۔ پتہ چلا کہ کوئی اور چیز ہے جو قرآن کریم کو پڑھ رہی ہے وہ کیا ہے روح ہے وہی قلب سے احکام روح کے اور ذکر قلب کا ہو رہا ہے بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ تدلی کی شکل میں القا کرتا ہے فرشتہ کرسی نہیں چھوڑتا جبرئیل ملک کر القا کرتا ہے یہ ہے کشفاً۔ یہ معلوم ہوتا ہے جبرئیل کا دیکھنا یا فرشتوں کا دیکھنا جن کا دیکھنا۔ شیطان کا نظر آنا، یا کشف قبور کا ہونا یہ نورِ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ حدیثیں بھری پڑی ہیں۔ یہ حدیثیں مرچکی ہیں۔ سنت مردہ کو زندہ کرنے والا سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہے۔ کشف قبور یا یہ چیزیں جو ہیں اگر کسی کو زیادہ ضرورت ہو تفہیمات الٰہیہ فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ رح آج ہم تمام علماء اکٹھے ہو کر ایک پلڑے پر اپنے اپنے علم رکھ دیں لیکن شاہ ولی اللہ رح کا علم پھر بھی بھاری ہوگا ان کو علم لدنی تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ میرا والد آیت من آیات اللہ ومعجزہ من معجزۃ الانبیاءؑ یعنی وہ ایک اللہ کی نشانیوں سے ایک نشانی تھا اور انبیاءؑ کے معجزات سے ایک معجزہ تھا۔ تفہیمات الٰہیہ کو دیکھیں تفہیمات میں لکھتے ہیں کہ میرے والد نے جلد ہی میری شادی کرا دی۔ میں نہ سمجھا کہ کیوں کرائی لیکن شادی کے بعد جلدی فوت ہو گئے۔ اٹھارہ سال کا تھا کہ میں نے مسند تدریس کو سنبھال لیا اٹھائیس سال کی عمر میں حرمین میں گیا والد سے میں نے تصوف حاصل کیا میں ریاض الجنہ میں نفل الضحیٰ پڑھ رہا تھا میں نہیں دیکھتا کہ میری یہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں یا روح کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں انوار میں غرق کھڑا ہوں۔ اس کے بعد میں حضور کی طرف متوجہ ہوا دیکھا کہ آپ مراقبے کی حالت میں ہیں۔ میں خاموشی سے جاکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے چہرہ مبارک اٹھایا اور میری طرف ہاتھ بڑھائے دونوں ہاتھوں سے میں نے بیعت کی۔ تفہیمات الٰہیہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ اور فیوض الحرمین الفوز الکبیر میں بھی لکھتے ہیں۔

کہ میں پہلا اویسی ہوں قرآن کریم میں نے حضور سے پڑھا ہے ان کو دیکھیں تذکرۃ الرشید، امداد السلوک۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کیا فرماتے ہیں میں گرمیوں کی ابتدا میں کیرانے مدرسے کے جلسے میں گیا ہوں مجھے شیخ الحدیث لے گئے تھے میں ان کے گھر ہی ٹھہرا دو گھنٹے تو میرے ساتھ ہی شیعوں کے متعلق کی میں نے ان سے کہا میاں یہ طالب علم چو چار سو بیٹھا ہے۔ یہ جس وقت پڑھ کے نکلیں گے اس وقت ان کو یہ علم نہ ہوگا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے شیعوں کا کیا ہے قادیانیوں کا کیا ہے غیر مقلدوں کا کیا ہے، خارجیوں کا کیا ہے ان کو کوئی عقیدہ کا پتہ نہیں ہوتا پڑھ کے نکلتے ہیں اور عقیدے کی خبر نہیں ہوتی ان کو کیوں نہیں سکھاتے۔

میں نے کہا کہ میں نے کتاب لکھی ہے "تحذیر المسلمین" وہی پڑھاؤ۔ اس کے تصوف پر بات چل نکلی انہوں نے کہا کشف جو ہے یہ الہام ہے۔ میں نے کہا الہام سے تو قرآن بھرا ہوا ہے اس کا انکار غلط ہے کشف پر بات کرو۔ کہا کہ صوفیائے کرام لکھتے ہیں کہ حیض الرجال ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے مردوں کے بچے جو ہوتے ہیں یعنی صوفی ابتدائی دور میں جو ذکر کرتے ہیں ان کی تربیت کرائی جاتی ہے اور کشف مقصودی

چیز نہیں یہ غیر مقصود ہے جس کو دربارِ نبوی میں حاضری ہو جائے فنا فی الرسول ۔ فنا فی الرسول کا مطلب ایک مراقبہ ہے جو دربارِ نبوی میں بغیر اس کے کہ جب تک وہ حاصل نہ ہو ترقی ہوتی ہی نہیں تو آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جو ہیں حضورؐ کو حالتِ ایمان میں جس شخص نے دیکھا ہے وہ صحابی ہے اگر اس نے نہیں دیکھا حضورؐ نے دیکھ لیا تب بھی صحابی ۔ اندھا آدمی ہے زندگی میں ہے حیات میں ہے اگر دنیا میں نبی رخصت ہو چکا ۔ کسی نے چہرہ دیکھا ہے تو وہ صحابی نہ بنے گا کیونکہ آپ اب برزخ میں ہیں آپکے قدم آپ کا برزخ میں ہے اس طریقہ سے تعبد ربک کانک تراہ ... یراک ۔ اگر عبادت رب کی اس طرح کی کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یہ کشفی حالت ہے اگر آپ نہیں دیکھ سکتے تو اللہ تو دیکھ رہا ہے ۔ یہ ہے استغراقی کشف کی صورتیں میں نے اُن سے کہا کشف مقصودی چیز نہیں اور نہ ہم اس کو مقصودی چیز سمجھتے ہیں ۔ یہ اللہ کا انعام ہے جس پر ہو جائے ۔ اور شرعی دلائل جو ہیں یہ بھی صرف چار ہی قسم کے ہیں کتاب اللہ سنت رسول ۔ اجماع امت اور قیاس ۔ کشف الہام شرعی دلائل میں داخل نہیں ہاں ان سے رموز اور اسرارِ شریعت حاصل ہوتے ہیں ۔

میں ایک دفعہ چکوال میں بیٹھا ہوا تھا ایک مولوی صاحب نے مجھ پر اعتراض کیا کہ موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر جس وقت کھڑے تھے ۔ رب ارنی یہ آرزو کر رہے تھے کہ ربا مجھے اپنا دیدار کرا دے ۔ تو اللہ نے فرمایا تم نہیں دیکھ سکتے ۔ پہاڑی سخت ہے آپ نرم ہیں تجلی باری تعالےٰ کی پہاڑی پر پڑی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گئی موسیٰ علیہ السلام صرف بیہوش ہوئے یہ کیوں نہیں مرے جبکہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سُرمہ بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام ٹھیک ٹھاک کھڑے رہے اس کی کیا وجہ ہے ۔؟

میں نے کہا مجھے یاد تو نہیں ۔ مفسرین نے کیا لکھا ہے لیکن اب دیکھ لیتے ہیں ۔ جب دیکھا تو ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان وادی ہے اس پہاڑی پر موسیٰ کھڑے ہیں تجلی اس پہاڑ پر پڑی ہے ۔ میں نے کہا کشف اور الہام سے اسرار رموزِ شریعت حاصل ہوتے ہیں ۔ اختلاف رفع ہو جاتا ہے پتہ چل جاتا ہے باقی رہا شرعی دلائل اس کا کوئی دخل نہیں ۔ ہاں انبیاء علیہ السلام کا کشف تام ہوتا ہے وہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس کو آگے چل کر سوچو جبرئیلؑ نے قرآن کریم اللہ تعالےٰ سامنے رکھ کر پڑھا تھا ؟ اور پھر وہ آکر نبی کریمؐ کو بتاتے تھے وہ بھی تلقی روحانی سے لیا گیا ہے ۔

اے اوّل تو ورائے اوّل
حیراں زہے تو انبیاء و رسل

اللہ کی ابتداء میں ہی انبیاء رسول حیران ہو کر رہ گئے ہیں ۔ ابتدا معلوم نہیں وہ تو ماوراء الوریٰ ذات ہے ۔ تو جبرائیلؑ قرآن کی تعلیم کیسے حاصل کر سکتے ہیں اُس میں دو ہی قول نقل کیے ہیں تفسیر اتقان میں ایک جگہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ پر ان حروف کو ایجاد کیا ہے موٹے موٹے ایجاد ہیں دوسرا قلبی ، روحانی قول صحیح ہے اور تلقی روحانی سے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے حاصل کیا ہے دل پڑھتا رہتا ہے دل سنتا ہے یہ ہمارے گناہ اس کو اندھا کر دیتے ہیں اُس کو بہرہ کر دیتے ہیں ۔ یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہے

روح جو ہے ۔ اور دنیا میں مکلف بالذات بدن ہے بالتبع روح ہے موت کے بعد بالذات روح بالتبع بدن ۔ یہ سلوک اور تصوف جو ہے یہ روح کا چونکہ کام ہے ۔ اس کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے زمین کے ساتھ نہیں ۔ اور اُس وقت یہ رُوح کا اپنا فعل ہے ۔ اس لیے یہ بڑی سہولت ہے ۔ عالم برزخ میں جو عزت اس کی ہے اتنی کسی کی نہیں ۔ ہاں سوائے نیک ہونے کے ۔ پہلی چیز اس کی شرائط میں سے ہے اور اس کے ارکان میں سے سب سے بڑھ کر بڑا رکن ہے اس کا اتباع شریعت اس اتباع کے بغیر کوئی چیز نہیں جتنے مناصب ہیں نجباء نقباء ہوں اوتاد ہوں ، ابدال ہوں قطب ہوں فرد ہوں قطب وحدت ہوں ۔ صدیق ہو یہ میرے آقا ؐ کی جوتیوں کی خاک سے ملتے ہیں ۔ اتباع سے ملتے ہیں بغیر اتباع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں ملتی ۔ کوئی شخص ہوا میں اُڑتا آئے پانی میں چل کر آئے دریا کو عبور کرلے بالوں سے گھی اور دودھ نکال لے لیکن قول و فعل سنت کے خلاف ہے ہم اُسے شیطان کہیں گے ۔ ہم اس کو کسی قسم کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع نہ کرے ۔ اس میں ترقی نہیں ہوتی ۔ یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ۔ بدکاروں کو یہ چیز نہیں ملتی ۔ شاید کوشش کر کے لے جائے لیکن کچھ دن کے بعد وہ لوٹ کر اپنی جگہ پر آجائے گا ۔ تو بہر حال حدیث بے شمار ہیں ۔ کتاب اللہ میں موجود ہے یہ سب کچھ ۔ اور تصوف جو ہے یہ روح اسلام کی ہے ۔ جس طرح نبی کریم ؐ فرماتے ہیں کہ روزہ غیبت سے ٹوٹ جاتا ہے ۔ حالانکہ ٹوٹتا تو نہیں یعنی اس کی رُوح نکل جاتی ہے فرمایا زانی جب اس فعل میں مشغول ہوتا ہے ایمان نکل جاتا ہے ، چور چوری کرتا ہے تو ایمان نکل جاتا ہے یعنی رُوحِ ایمانی نکل جاتی ہے ۔ بت رہ جاتا ہے ۔ ڈھانچہ رہ جاتا ہے گوشت پوست کا ۔

باقی رہا لسانی ذکر کے لیے کسی شیخ کی ضرورت نہیں اس کی زبان تو گونگ نہیں خود پڑھ سکتا ہے ۔ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے ماورائی امور اور معاملات کے شروع ہونے سے سلوک کا تعلق آسمانوں سے اوپر ہے عرش معلی کے ساتھ ہے ۔ یہ سارے عالم رہ جاتے ہیں ۔ اور سالک سمجھتا ہے کہ میں چھوڑ کر اوپر آگیا ہوں ۔ جس کا جی چاہے اس میدان میں اس وادی میں قدم رکھ کے دیکھے اس کے بعد پتہ لگے گا ۔ زبانی زبانی بیان کرنے سے قطعاً پتہ نہیں چلتا ۔ ؎

لباسِ فہم بر بالائے اُو تنگ
سمندِ عقل در صحرائے او لنگ

لباس سمجھ والا پھٹ جاتا ہے ۔ اس میدان میں بڑا تیز رو گھوڑا بھی لنگڑا ہو کر گر جاتا ہے ۔ یہ سمجھ نہیں آتی جب تک یہ حال نہ ہو ۔ یہ پیالہ نوش نہ کریں گے تب تک سمجھ نہ آئے گی فرشتے سے کوئی پوچھے کہ گڑ کتنا میٹھا ہے وہ نہیں بتا سکتا ۔ چار سالہ بچے سے شادی کا لطف پوچھو وہ نہیں بتا سکتا ۔ اسی طریقے سے کوئی مولوی ہو ، عالم ہو ، فاضل ہو وہ تصوف کو نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ اس میدان میں قدم نہ رکھے ۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ
رب العالمین ۔

تاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ
۲۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء

# ایک خط

بخدمت اقدس حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ کہ چند ضروری باتیں سمجھنی ہیں مگر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مندرجہ ذیل بزرگان دین کی ارواح سے مل کر جوابات ان سے حاصل فرما کر ہمیں رہنمائی فرمائیں عام علماء نے جو جوابات دیئے ہیں وہ کتابوں میں یا عام علماء ظاہر سے حاصل ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ خاص جوابات ان ہی بزرگوں سے حاصل شدہ ہوں۔

۱۔ بخاری شریف کتاب التفسیر میں "وقیضنا لھم قرناء" کی تفسیر میں عام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد شیاطین ہیں مگر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا "تتنزل علیھم الملائکۃ"
عرض یہ ہے کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی روح سے مل کر اس کا جواب حاصل فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں۔ مگر خاص امام بخاری ہی کا جواب ہو عام محدثین علماء کے ذکر کردہ جوابات میں سے کوئی نہ ہو۔

۲۔ بخاری شریف کتاب التفسیر ہی میں "وانت لھم تصدی" تصدی کے معنی تو در پے ہونا ہوتے ہیں لیکن امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے تصدی کے معنی تغافل کیے۔ یہ بھی ان کی روح سے مل کر برائے کرم جواب حاصل فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں۔

۳۔ علامہ تفتازانی رحمتہ اللہ علیہ نے "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" حدیث بتائی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث نہیں۔ علامہ موصوف کی روح سے مل کر اس پہ تبادلہ خیال فرما کر اس کا حل بھی بتائیں۔

۴۔ ہدایہ میں ہے "من صلیٰ خلف عالم تقی فکانما صلیٰ خلف نبی" یہ حدیث بتائی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے۔ اس کے متعلق بھی صاحب ہدایہ کی روح سے مل کر ہماری رہنمائی فرمائیں دوبارہ عرض ہے کہ ان اشکالات کے جوابات وہ نہ ہونے چاہیں جو اساتذہ دوران اسباق بتاتے ہیں یا شروح وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ خاص ان حضرات کی ارواح سے حاصل فرما کر ان حضرات کی طرف سے حاصل شدہ جوابات تحریر فرمائیں۔

فجزاک اللہ احسن الجزاء فقط والسلام مع الاکرام

خاکپائے اکابر دیوبند

# جواب خط

## حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب ۔

جناب مولانا صاحب ———— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ پہنچا ۔ آپ کے ارشادات سر آنکھوں پر مگر ان کی تعمیل میں چند رکاوٹیں راہ میں حائل ہیں اگر وہ دور ہو جائیں تو تعمیل ارشاد کی شاید کوئی صورت نکل آئے مثلاً

۱۔ آپ کو کس مسخرے نے یہ اطلاع دی کہ میں شرعی مسائل اور علمی اور عملی عقدے ارواح سے حل کراتا ہوں ۔؛

۲۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے آپ کو کبھی دعوت نہیں دی کہ میرے ذریعے ارواح سے مسائل حل کرا لو ۔ پھر آپکو یہ غلط فہمی کیونکر پیدا ہو گئی ۔

۳۔ جب آپ کو زندہ علماء جو ماہرین فن ہیں ان کی بات پر اعتبار نہیں تو روحوں کے کلام پر کیونکر اعتبار آ سکے گا اور روحوں کی کلام بھی مجھ سے سننا چاہتے ہیں اور میں زندہ ہوں اور زندوں کی بات پر آپ کو اعتبار نہیں تو یہ عقدہ کیسے حل ہوگا ۔؟

۴۔ جو سوال آپ روحوں سے پوچھنا چاہتے ہیں ان کا آپ کی عملی زندگی سے اس لحاظ سے تعلق نہیں کہ آپ اس کے مکلف نہیں لہٰذا یہ کوشش محض دماغی عیاشی کے لئے ہے ۔ لہٰذا اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے چند روز کی بات ہے آپ بھی برزخ میں پہنچ جائیں گے وہاں ارواح سے حقائق دریافت کر لیں گے ۔ فی الحال آپ زندہ ہیں اور زندوں کی بات کے مکلف ہیں لہٰذا اسی پر اکتفا کریں حدود سے تجاوز اچھا نہیں ہوتا ۔

۵۔ آپ کا مطالبہ یہ ہے کہ جواب وہ نہیں ہونے چاہئیں جو کتابوں میں موجود ہیں یا اُن حضرات نے دنیوی زندگی میں دیئے تھے ۔ بلکہ ان جوابوں سے مختلف ہونے چاہئیں جو کتابوں میں موجود ہیں یا اُن حضرات نے دنیوی زندگی میں دیئے گئے تھے ۔ بلکہ ان جوابوں سے مختلف ہونے چاہئیں اب اس کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ جب آپکو موجودہ جواب قابلِ قبول نہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے اُلٹ جواب ہی قابلِ قبول ہیں ۔ لہٰذا وہی جواب صحیح تصور کر لیجئے جو ان کے اُلٹ ہیں ۔

دوم یہ کہ اگر ارواح نے وہی جواب دیئے جو زندگی میں لکھ گئے ہیں تو پھر اس کا کیا بنے گا ۔ وہ تو آپ کو قابلِ قبول نہیں ۔ پھر یہ ساری کوشش رائیگاں جائے گی تو ایسے عبث فعل کا کیا مطلب ۔

۶۔ پھر یہ بات حل طلب ہے کہ اگر روح مجرد اور زندہ انسان کے کلام میں تعارض واقع ہو جائے تو ترجیح کیسے ہوگی اور کیوں ہوگی ۔ جواب بحوالہ کتاب بقید صفحہ ارشاد فرمائیں

۷۔ جن حضرات کی ارواح سے کلام کرنے کا آپ نے مطالبہ فرمایا ہے وہ مفسر، محدث، متکلم یا فقیہ ہیں اور اُمت میں خاص مقام پر فائز ہیں مثلاً ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ بدرالدین عینی، قسطلانی، ابن ابی جمرہ اور حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ارواح سے اگر کلام ہوگا تو وہ آپ تو سُن نہیں سکیں گے کیونکہ روح کا کلام لطیف ہوتا ہے اور مادی کانوں سے سُننا ممکن نہیں ۔ تو آپ ان سب حضرات کے مقابلہ میں مجھ غریب پر کیسے اعتبار کر سکیں گے اور اگر کر ہی لیں گے تو آپ کے متعلق لازماً کہنا پڑے گا کہ ؎

بدیں عقل و دانش بباید گریست

۸۔ چلیئے اگر آپ مجھ پر اعتبار کر بھی لیں تو مجھے اتنا تو فرمادیں کہ آپ کے نزدیک معیار صدق کیا ہے؟

۹۔ فرض کیجئے کہ ان ارواح نے وہ جواب دئیے جو ان کی زندگی کے فیصلوں سے مختلف ہوں تو خود ان کے کلام میں تعارض واقع ہوگیا اب ترجیح کس کو ہوگی اور کیوں ہوگی؟

۱۰۔ یہ فرمائیں کہ روح سے کلام کے ذریعے جو دین کا مسئلہ معلوم ہو کیا اُسے شرعی حکم کی حیثیت حاصل ہوگی؟ کیا غیر نبی کا الہام یا کشف مثبت احکام ہے؟ نبی کریمؐ عالم برزخ میں جو فرمائیں وہ حدیث رسولؐ ہوگی کیا؟ اور اس سے کوئی شرعی مسئلہ ثابت ہو جائے گا؟ اگر نبیؐ کا برزخی کلام حدیث رسول نہیں تو علماء کا برزخی کلام حجت کیوں ہو؟

آپ کے گرامی ناموں کے بین السطور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد کچھ اور تھا آپ نے اسلوب یہ اختیار کیا اگر آپ کو کلام بالارواح پر تعجب ہی تھا اور آپ کو اس حیرت کا رفع کرنا مقصود ہوتا تو آپ کا اندازِ سخن اس سے مختلف ہوتا مثلاً آپ کے سوالات کچھ اس طرح ہوتے:

۱۔ کیا روح سے کلام ممکن ہے؟

۲۔ اگر ایسا ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

۳۔ اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

۴۔ کیا اس پر عمل جائز ہے؟

۵۔ کیا یہ ظنی ہے یا قطعی؟ وغیرہ

کسی لفظ کے معنی میں اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ روحوں سے نہیں کراتے بلکہ اس کا تعلق لغت سے ہے۔

**علمائے دیوبند کا مسلک** یہ ہے کہ کتاب و سنت کا فہم توارث سے حاصل کرتے ہیں۔ کہ کسی لفظ کا مفہوم نبی کریمؐ نے کیا لیا یا صحابہ اور سلف صالحین نے کیا سمجھا۔ انہی کے فہم پر ہم دین کے احکام کی بنیاد رکھیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں فرمایا کہ اپنی تحقیق کو سلف صالحین متقدمین کی تحقیق سے آگے نہ بڑھائے۔ چونکہ منقولہ علوم میں ہمیشہ منقول عنہ پر اعتماد ضروری ہے اور دین بھی نقل اور خبر ہے لہذا خبر میں مخبر عنہ پر اعتماد کے علاوہ کوئی دوسری راہ اختیار کرنا خلاف اُصول ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن احکام کا تعلق امور تکوینیہ سے ہو ان میں صوفیہ محققین کا کلام مقدم ہوگا۔ اور جن احکام کا تعلق امور شرعیہ

نقلیہ سے ہو ان میں ائمہ مجتہدین اور علمائے حق کا قول مقدم ہوگا۔

اب آپ اپنے سوالات کا جائزہ لیں۔ ان کا تعلق امورِ شرعیہ سے ہے یا امورِ تکوینی سے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ارواح کے مرکز سکونتی میں علامہ ابن قیمؒ نے دس بارہ مذہب بیان کیے ہیں۔ ان میں سے آپ کس مذہب کے معتقد ہیں؟ اپنا مسلک بیان فرمائیں تاکہ اس مرکز سے ان ارواح سے رابطہ قائم کیا جائے۔ ورنہ یہ بھی احتمال ہے کہ ارواح سے پوچھا جائے اور آپ فرمائیں کہ یہ قابل قبول نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ارواح کا مرکز ہی نہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ قبر پر جا کر مرکز کا پتہ کیا جاتا ہے کیونکہ روح کا تعلق بدن مدفون سے بدستور رہتا ہے۔ اس لئے آپ ہمیں امام بخاریؒ علامہ تفتازانی اور علامہ مرغینانی کی قبروں پر لے چلیں وہاں ان سے روح کے مرکز کا پتہ کر کے آپ کے سوالوں کے جواب پوچھے جائیں۔

ان جھمیلوں سے ہٹ کر ایک آسان راستہ بھی ہے جس کی نشاندہی اللہ کریم نے فرمائی کہ ولا تقف مالیس لک بہ علم

جس فن سے آدمی واقف نہ ہو اس میں دخل دینے کی صرف ایک معقول صورت یہ ہے کہ آدمی طالب علم کی حیثیت اختیار کرے۔

علمائے دیوبند تمام کے تمام ارواح سے فیض کے قائل ہیں۔ ہاں اس استمداد کے قائل نہیں جس کا غلط مفہوم عوام کے ذہنوں میں ہوتا ہے۔ تصوف میں تو کشف مقصود بالذات ہے نہ کرامت، نہ الہام مقصود بالذات صرف رضائے الٰہی ہے، ہاں یہ چیزیں ذکر الٰہی کے ثمرات اور انعامات باری ہیں جس پر جو انعام چاہے کرے۔ رضائے الٰہی کے حصول کا طریقہ اتباع سنت بطریقہ سلف صالحین اور اصلاح قلب ہے اس وجہ سے صوفیہ کا موضوع بحث روح و قلب ہی ہوتا ہے دبد ونھا خرط القتاد

## خوشخبری!

## "دیارِ حبیبؐ میں چند روز"

مولانا محمد اکرم اعوان کی بلند پایہ تصنیف "دیارِ حبیبؐ میں چند روز" کا دوسرا ایڈیشن چھپ کر آگیا ہے نفسِ مضمون ایمان افروز، طرزِ ادا دلکش، قلب کی گہرائیوں سے اٹھنے والے تاثرات۔ براہِ راست قلوب کو متاثر کرتے ہیں ٹائیٹل خوشنما۔ ہدیہ چار روپے

اہلِ دل کے لئے نادر موقع!

پروفیسر حکیم علی احمد عباسی

# قرآن حکیم

بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ:

اما بعد: سلسلۂ نبوت سے وابستہ اقوام کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو آخری ہدایت نامہ کی حیثیت سے نازل فرمایا۔ اس کے بعد کوئی تحریر اور کسی کی تقریر یہ حق نہیں رکھتی کہ اس پر ایمان لایا جائے (المرسلٰت ۵۰)

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ (اس کے بعد کونسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔"

اس کتاب کا زندہ معجزہ ہونا، ان سب لوگوں کے نزدیک مسلّم ہے جو عربی الاصل ہوں اور ان کی مادری زبان عربی ہو۔ کسی غیر مسلم عرب نے اس کی طرز ادا پر اس کے اسلوب بیان پر۔ اس کی آیات کی ترتیب پر، اس کے کلمات کے اعجاز پر، اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے بڑے معانی و مطالب کی وسعت اور گہرائی پر اور اس کے پراثر لہجے پر حرف گیری کی جرأت نہیں کی۔ کہنے کو تو لوگ کہتے آئے ہیں۔ (الانفال ۳۱) لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ (ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی بات کہہ سکتے ہیں) لیکن آج تک کوئی نہ کہہ سکا اور نہ آئندہ کہہ سکے گا (بنی اسرائیل ۸۸)

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ؀

کہہ دو اگر کبھی تمام انسان اور جن مجتمع ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی مثل کچھ لاسکیں تو اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔

## تدوین کتاب:

اس کتاب کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی۔ چونکہ آیات متفرق اوقات میں نازل ہوتی تھیں اور یہ متعین کرنا کہ نازل شدہ آیات کن دو آیتوں کے درمیان ہوں گی اس لئے لازم تھا کہ کھلے کھلے اوراق لکھی جائیں۔ تاکہ نئی ترتیب قائم کی جا سکے۔ اس کی تعیین وحی الہٰی کے تحت ہوتی تھی۔ ارشاد حق ہے (القیامہ ۱۶-۱۹)

لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ؕ

(اے نبی) اس کے لئے اپنی زبان جلدی جلدی مت چلاؤ

اس کا جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارا کام ہے لہٰذا جب ہم پڑھ چکیں تب تم اسی طرح پڑھو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا مطلب بتانا۔

اس طرح امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآنی کلمات اختیار کرنے میں آیات کی ترتیب میں اور کتاب مبین کی تدوین میں کسی کاتب وحی کو تو کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دخل نہ تھا جس طرح ہدایت ربانیہ ہوئی اسی طرح یہ کتاب مدون کی گئی۔

تدوین کتاب کے سلسلے میں امت کو بشارت دی گئی کہ بات پوری ہو چکی اور کوئی نہیں جو اللہ کے کلمات تبدیل کر سکے۔ اس بارے میں بشری کوششیں ہمیشہ ناکام رہیں گی (الانعام ۱۱۵)

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ

"اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہو چکی۔ کوئی نہیں جو اس کے کلمات بدل سکے۔"

پھر بشارت دی گئی کہ جیسے جیسے وقت گزرے گا اور انسانی فہم میں ارتقا ہوگا، ہر عرصہ میں یہ بات ثابت ہو کر رہے گی کہ حق صرف قرآن ہے (الشوریٰ ۵۳)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

"ہم عنقریب اپنی نشانیاں انہیں کائنات کی پہنائیوں میں دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں کے اندر بھی تا آنکہ ان پر ثابت ہو جائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تیرے رب کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہر چیز اس کے سامنے ہے۔"

چنانچہ علوم فطرت میں علم النفس میں تشریح ابدان میں، سیاسیات میں عمرانیات میں جتنی ترقی ہو رہی ہے قرآنی حقائق سامنے آ رہے ہیں۔

پھر بشارت دی گئی کہ نہ کوئی پرانا باطل نظریہ اس کے سامنے سر اٹھا سکتا ہے اور نہ کوئی نیا نظریہ حیات۔ یہ کتاب ہر حال میں غالب رہے گی (حٰم السجدہ ۴۲)

إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

"یہ سب پر غالب آ جانے والی کتاب ہے کوئی باطل نظریہ نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور پیچھے سے کیونکہ یہ اتارا ہوا ہے اس حکمت والے کی طرف سے جو ہر ستائش کا مستحق ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کشاں کشاں قرآنی اصول و قواعد کی طرف آ رہی ہیں اور انہیں کامیابی اسی وقت ہوتی ہے جب ان اصول و قواعد کی پوری طرح پیروی کریں ورنہ انہیں ٹھوکریں لگتی ہیں اور ناکامیاں ہوتی ہیں دنیا کی جتنی قومیں اپنے آپ کو الٰہی نظام حیات سے وابستہ کہتی ہیں ان کے لئے قرآن نے ناممکن بنا دیا ہے۔ وہ اپنے دینی نظام حیات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی استوار کر سکیں وہ ہمیشہ اس دوراہے پر کھڑی ہوتی ہیں کہ دینی تقاضے پورے کریں یا اپنی زندگی کو خوشگوار اور عادلانہ انداز میں استوار کریں۔ اسی لئے انہوں نے دین اور مملکت کو الگ کر دیا ہے۔

لیکن امت مسلمہ جو قرآن کی وارث ہے اس کے سامنے ایسی کوئی مشکل نہیں۔ اس پر نکبت آتی ہے تو قرآن سے ہٹ کر اور وہ ترقی کرتی ہے تو قرآن سے وابستہ ہو کر

وہ ہر ماحول ہر زمانے اور ہر عہد کے تقاضے بھی پورے کرتی ہے اور قرآن پر کبھی دلجمعی کے ساتھ عمل پیرا ہوتی ہے۔ قرآن چونکہ آخری کتاب ہے اس لئے زمینی زندگی کے متعلق اسے صرف اصول و قواعد دئے گئے ہیں اور اجتہاد کا دروازہ اس کے لئے کھلا رکھا گیا ہے۔

## تحریری کام:-

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کی کتابت کسی ایک صاحب کے سپرد نہیں تھی بلکہ صحابہؓ کی ایک جماعت یہ عظیم الشان کام انجام دیتی تھی۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کوئی ایک شخص ہو تو لکھنے میں غلطی نہ کر جائے اور ایک جماعت گواہ رہے کہ جس نے جو لکھا ہے وہ صحیح لکھا۔ اس گروہ باصفا کی امانت و دیانت اور ایمانی رفعت پر جو شخص حرف گیر ہوا سے اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا ہے۔

(عبس ۱۱-۱۷)

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ

"ہرگز نہیں۔ یہ تو نصیحت نامہ ہے، سو جو چاہے نصیحت پکڑے یہ ان اوراق میں ہے جو لائق تعظیم ہیں بلند رتبہ ہیں پاک ہیں اور ان کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں جو محترم ہیں اور پاک باز۔ ہلاک ہو انسان اسے انکار کی جرأت کیسے ہوتی ہے۔"

## حفظ:

ظاہر ہے جب اوراق منتشر ہوں گے، بار بار انہیں نازل شدہ آیات کی جگہ متعین کرنے کے لئے نئے سرے سے مرتب کرنا ہوگا۔ تو اس کا امکان تھا کہ کہیں اوراق کی ترتیب نہ بدل جائے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ایک جماعت ایسی ہو جو نازل شدہ آیات کی جگہ متعین کرنے کے بعد نئے سرے سے سورتیں حفظ کرے یہ کام بھی دو چار آدمیوں سے نہیں لیا گیا بلکہ حفاظ کی ایک کثیر جماعت تھی اور یہ بات ہرگز نہ تھی کہ اگر کوئی حافظ غلطی کر جائے تو اس کی اصلاح نہ ہو سکے۔

یعنی حفاظ کی کثیر جماعت کی موجودگی میں اس کا امکان کہاں تھا کہ کتاب کے صفحات، آیات کی ترتیب اور کلمات کے تحفظ میں فرق پڑ سکتا ہے ارشاد مبارک ہے

(العنکبوت ۴۸-۵۱)

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝

"اور اس سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب پڑھا کرتے تھے اور نہ ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے جو ان باطل پرستوں کو کچھ شک ہوتا۔ یہ تو کھلی کھلی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے ویسے ہماری آیات کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا سوائے ظالموں کے۔"

یعنی قرآن ایک کتاب ہے لکھے جانے والی پڑھی جانے والی سنائی جانے والی اور اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہنے والی، ہدایت و رحمت کا سامان اسی مکمل آخری کتاب میں

اس کے پوری طرح لکھے ہونے اور سینوں میں محفوظ ہونے کے بارے میں جو لوگ نزاع پیدا کرنا چاہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے علم کیش بنایا۔

**اسباب کتابت:**

عموماً کوفی راویوں نے طرح طرح کتاب کا متن مجروح کرنے کے لیے قسم قسم کی روایتیں وضع کی ہیں کہ قرآن اونٹ کے شانے کی ہڈیوں پر کھجور کی تختیوں پر اور پتھروں پر لکھا جاتا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ یہ وہی روایتیں صحاح میں بھی در آئیں۔

یہ امر مسلّم ہے کہ عرب قافلے تجارت کے سلسلے میں مشرق و مغرب کے متمدن علاقوں میں جایا کرتے تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ کتابت کے لیے کاغذ استعمال ہوتا ہے جیسا بھی اس زمانے میں ہو۔

قرآن حکیم میں قلم، مداد (روشنائی) اور قرطاس (کاغذ) کا ذکر موجود ہے۔ صحیح ہے کہ کاغذ کمیاب تھا مگر نایاب تو نہ تھا۔ اور پھر کتابت کرنی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب کی جو تمام اقوام و ملل کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے۔ تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کی کتابت کے لئے یہ بے وقعت اور واہی چیزیں کام میں لائی جاتیں اور ایک پائیدار نظام نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے صاف بیان فرمایا ہے فی صحف[1] (اوراق میں) تو اسے اونٹ کے شانے کی ہڈی یا پتھر کا ٹکڑا کیسے کہا جاسکتا ہے۔ قرآن کی کتابت کمائی ہوئی جھلّی کے اوراق پر ہوتی تھی جو کاغذ سے زیادہ پائدار ہوتی ہے ارشاد حق ہے (الطور ۱-۶)

وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ

"قسم ہے پہاڑ کی۔ اور قسم ہے کتاب کی جو کمائی ہوئی جھلیوں کے اوراق میں لکھی ہوئی ہے اور قسم ہے اس گھر کی جو آباد رہتا ہے (اور کبھی خالی نہیں ہوتا) اور قسم ہے اس چھت کی جو بلند کر دی گئی ہے اور قسم ہے اس دریا کی جس کے سوتے اُبلتے ہیں اور کبھی خشک نہیں ہوتے۔"

طُور پہاڑ کو کہتے ہیں لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تعلق کی بنا پر یہ لفظ اتنا مشہور ہوگیا ہے کہ لوگ لفظ طور سے طور موسیٰ سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے طور موسیٰ کو طور سینینا اور طور سینین فرمایا ہے تاکہ اس پہاڑ کا محل وقوع معلوم ہو۔

یہاں مجرد لفظ "طور" ہے اور مراد ہے طور فاران جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی طور سینا پر جو وحی لکھوائی گئی وہ توراۃ اور قرآن کے مطابق پتھر کی الواح پر لکھوائی گئی تھی۔ لیکن طور فاران سے جو وحی کا سلسلہ شروع ہوا، وہ وحی رَقٍّ منشور پر لکھوائی گئی۔ اس لفظ کا اطلاق کاغذ کے چمڑے کے، اور کمائی ہوئی جھلّی کے اوراق پر ہوتا ہے شانے کی ہڈی اور پتھر کی الواح پر نہیں ہوتا۔

البیت المعمور کا اطلاق سوائے کعبہ شریف کے

---

[1] دوسری جگہ ارشاد ہے (البینۃ) رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ فیھا کتب قیمۃ (اللہ کا رسول جو پاک کئے ہوئے اوراق پڑھتا ہے جن میں ہمیشہ کارگر رہنے والے نوشتے ہیں۔

اور کسی چیز پر نہیں ہوتا۔ صرف یہی ایک معبد ہے جو کبھی خالی نہیں رہتا۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی ایسے وقت پہنچ جائیں جب کوئی نہ ہو لیکن ناکام رہے ہمیشہ کسی نہ کسی کو طواف کرتے پایا۔ اس بیت معمور کی جو صورت مثالی عالم بالا میں بیان کی جاتی ہے وہ ہمارے بیان میں حائل نہیں۔

سقف المرفوع کو لوگوں نے آسمان سمجھا ہے حالانکہ یہاں مقدر تھا کہ کعبہ شریف کی چھت جو نیچی تھی اسے حضرت امیر المومنین عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے بلند کروایا تھا۔ اور یوں نہ کعبہ شریف کی عمارت صحیح معنی میں مستطیل رہی نہ مربع اور نہ مکعب۔ اس کی بناء آدمی ہے جب انسان نے مکان بنانا نیا سیکھا تھا اور فن بندسہ سے ناواقف تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مجبور تھے کہ انہی بنیادوں پہ دیواریں اٹھائیں اور سادہ سی کوٹھری بنا دی وہ اپنے متمدن دور کے مطابق اگر اس کی تعمیر کرتے تو عمارت نہایت باقاعدہ اور عظیم الشان ہوتی[2]

البحر المسجور سے مراد زمزم شریف کا کنواں ہے اگر اسے گھیرا نہ جاتا تو معلوم نہیں کتنا بڑا دریا ہوتا۔ اب بھی وہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے سوتے خشک نہیں ہوتے اور ابلتے رہتے ہیں۔

پھر سوال ہے کہ یہود کے پاس جو کتاب مقدس کے مجلد نسخے تھے وہ کس چیز پر لکھے ہوئے تھے۔ مسلمان بھی اسی مدینہ طیبہ میں رہتے تھے انہیں وہ چیز کیوں نہ حاصل ہو سکی جس پر وہ کتاب مبین لکھتے اور انہیں اونٹ کے شانے کی ہڈی پر آیات لکھنی پڑیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شاہانِ عالم کو تبلیغی فرامین بھیجے اور اس شان اور دبدبے سے کہ کسریٰ کو لکھا أسلِمْ تَسْلَمْ (اسلام لاؤ تو محفوظ رہو گے) یہ فرمان ظاہر ہے کہ کاغذ پر لکھ کر بھیجا ہو گا جو اس نے پھاڑ کر اس کے ٹکڑے کر دیئے ایسی صورت میں یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کتاب اللہ کے لئے کاغذ میسر نہ تھا یا اس سے بھی زیادہ پائیدار چیز۔

## وراثت کتاب :-

جس طرح قرآن حکیم کی کتابت کسی ایک صاحب کے سپرد نہ تھی بلکہ ایک جماعت یہ کام کرتی تھی اور جس طرح اسے حفظ کرنے کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر نہ تھی بلکہ اتنی بڑی جماعت پر تھی کہ غلطی کا کوئی امکان نہ رہے اسی طرح اس کتاب مجید کا وارث بھی کسی ایک ذات یا ایک نسل یا ایک طبقہ کو نہیں بنایا گیا بلکہ پوری امت مسلمہ اس کی وارث ہے جس میں ہر قسم کے لوگ ہر زمانے میں ہوتے آئے ہیں اور ہوتے رہیں گے کبھی ایک قسم کے لوگ زیادہ ہوں گے کبھی دوسری قسم کے اور کبھی تیسری قسم کے لیکن چونکہ قرآن کی وراثت سب کو پہنچتی ہے اس لئے وہ رہ کر کتاب و سنت کی طرف وہ اضطراراً رجوع بھی کرتے رہیں گے

---

[1] :- حضرت امیر المومنین عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے بنیادیں نہیں بدل سکتے تھے اس لئے چھت اونچی کرنے سے زیادہ کچھ نہ کر سکے یوں یہ پیشی گوئی پوری ہوئی اور اس طرح اس عمل سے اموی خلافت مبارکہ کی حقانیت اور حجیت کی طرف صاف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

[2] :- بیت معمور اور بحر مسجور کے لئے ملاحظہ ہو لیسعیاہ (باب ۵۴ - ۵۵)

اور ہمیشہ اپنے احوال درست کرنے اور نکبت وہلاکت سے نجات پانے کے لئے اسی کی طرف دوڑیں گے اور اللہ کامرانی عطا فرمائے گا۔

ارشادِ حق ہے (فاطر ۲۲)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۔

"پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ تو ان میں کوئی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی ان میں درمیانی چال چلنے والا ہے اور کوئی ہے ان میں اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والا۔ یہ ہے بہت بڑا فضل۔"

## اوراق کی حفاظت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن حکیم کے اوراق کو مجلد کرنے کا امکان نہ تھا کیونکہ وحی اتر رہی تھی اور آیات کی جگہ متعین کر کے اوراق کو نئے سرے سے لکھنا ہوتا تھا اس لئے تمام اہتمام یہ تھا کہ کوئی ورق ضائع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ انہیں ایک صندوق میں محفوظ رکھا جاتا تھا ان اوراق کی تعظیم کی جاتی تھی اور بغیر طہارت کے انہیں چھوا نہیں جاتا تھا (الواقعہ ۷۷ – ۸۰)

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۔

"یہ ہے قرآن کریم ڈھکے ہوئے نوشتوں میں رقم، جسے چھو نہیں سکتے مگر باطہارت لوگ کیونکہ اتارا ہوا ہے اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ کیا اس بات سے تم بے اعتنائی برتتے ہو اور تم نے اپنی روزی بنا رکھا ہے اس بات کو کہ تم اسے جھٹلاؤ۔"

اس آیت میں کیسی وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو قرآن حکیم کے نوشتوں میں سے کچھ کا یا بعض آیات کا ضائع ہو جانا بیان کر کے اپنا پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور بطور استہزا کہتے ہیں کہ ان اوراق کو بکری چبا گئی تھی۔

## مجلد مصحف:

جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، کتاب مکمل ہو گئی اور جہادوں میں حفاظ شہید ہونے لگے حتیٰ کہ ان میں سے ستر حضرات جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے تو لازم آیا کہ حفاظ کی جو جماعت باقی بچی ہے اُن کی مدد سے قرآن حکیم کے اوراق کو مجلد کیا جائے۔

یہ مصحف شریف خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبرؓ صلوات اللہ علیہما کی تحویل میں رہا اور آپ نے اپنی وفات کے وقت حضرت فاروق اعظم امیرالمومنین رضوان اللہ وسلامہ علیہ کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ صلوات اللہ علیہا کی تحویل میں دیدیا جب شہید اکبر واعظم سیدنا عثمان ذوالنورین منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے مصحف شریف منگوا کر اس کی نقلیں کرائیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں یہ مصاحف بھیج دیئے۔ اس طرح مسلمانوں نے

اپنے اپنے مصاحف ان کی مدد سے مرتب کیے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ روئے زمین پر جہاں کہیں قرآن حکیم کا کوئی نسخہ ہو وہ کسی زمانے کا کسی ملک کا کسی شہر کا لکھا ہوا ہو گا اس میں متداول قرآن حکیم سے سر مو فرق نہیں ملے گا۔ یہ ہے کتاب مبین کے تحفظ کا سلسلہ۔

**جشن نزول:-**

علاوہ ازیں روئے زمین کے تمام صحیح العقیدہ مسلمان ہر سال رمضان المبارک میں قرآن کا جشن مناتے ہیں اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ قرآن پڑھا اور سنایا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ تراویح کی نماز عہد نبوی سے آج تک تواتر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

(المزمل ۲۰)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

"تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات سے کچھ کم یا اس کا نصف یا اس کا تہائی وقت نماز میں، لگاتے ہو اور ایک گروہ تمہارے ساتھیوں کا ہوتا ہے۔ رات دن کا معیار اللہ ہی بناتا ہے اسے معلوم ہے کہ تم اس پر قائم نہیں رہ سکتے تو اس نے تم پر توجہ فرمائی لہذا جتنا آسان ہو اتنا ہی قرآن پڑھا کرو۔"

یہ آیت سوائے تراویح کے اور کسی نماز پہ منطبق نہیں ہوتی اور اسی حکم کے تحت مسلمانوں کا عموماً طریقہ ہے کہ ایک ڈیڑھ پارے سے زیادہ قرآن نہیں پڑھا جاتا اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے ابتداً تو یہ نماز لازمی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا کر دی اور ضرورت مندوں کو اس کا ایسا پابند نہیں کیا کہ اس کا ترک متوجب عتاب ہو۔ لیکن معجزہ ہے قرآن کا کہ تراویح کی نماز میں مسجدیں بھری ہوتی ہیں اور ذوق شوق سے لوگ شریک ہوتے ہیں جو ارشاد خداوندی پورا ہو یہ ذکر ہم نے اتارا ہے اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔"

---

دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض و تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے
(ا-ع-ت)

شیخ
محمد
حبیب الرحمان
ایس۔ پی۔ ریٹائرڈ

# بیت المقدس کی بازیابی

اگر ہم اپنے ماضی کی طرف نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جب تک عربوں کا اسلام پر ایمان پختہ رہا دنیا کی امامت اُن ہی کے ہاتھ رہی۔ لیکن جب مغربی سامراج نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان کی مرکزیت ختم کر دی اور نظریۂ وحدت ملی کی جگہ جذبۂ قومیت کو ہوا دی گئی تو یہ لغزش اور بے راہ روی ان کی سب سے بڑی بدقسمتی ثابت ہوئی۔ اسرائیلی ریاست کا قیام مغربی سامراج کا انتہائی خطرناک منصوبہ تھا۔ جو ۱۹۴۸ء سے آج تک تمام عالم اسلام کے لئے نہایت اضطراب اور تشویش کا باعث بنا ہوا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں صیہونی سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی ہر کمزوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اسرائیل کا قیام محض کسی انفرادی کوشش کا نتیجہ نہ تھا بلکہ تمام مغربی ممالک بالخصوص برطانیہ، امریکہ اور فرانس اس منصوبہ کے پشت پناہ رہے ہیں ۱۹۵۶ء میں جب مصر نہر سویز کو قومیانے کے سلسلہ میں برطانیہ اور فرانس سے برسرِ پیکار تھا تو اسرائیل نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر صحرائے سینا کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور جب عرب قوم پرست اپنی بے پناہ فوجی قوت کے بل بوتے پر مقبوضہ فلسطین کو غاصبانہ قبضہ سے چھڑانے کے لئے اسرائیل کے خلاف جنگ میں کودے تو شکست کھا گئے اور خود اپنے ہی وسیع خطہ ارضی سے محروم ہو گئے۔

بیت المقدس جو ہمارا قبلہ اول تھا چھین لیا گیا۔ وہ ارضِ مقدس جہاں کم و بیش ایک لاکھ انبیاء کرام علیہم السلام کے فیضِ روحانی کی مہک اور ان کے قدموں کی برکات موجود ہیں، اسرائیلی درندوں کی شکار گاہ بن گئی، جولان کی پہاڑیوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ مقبوضہ علاقوں میں ہر جگہ یہودی بستیاں آباد کر دی گئیں۔ ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ کے خاتمہ پر

مصر کو کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے ذریعہ اسلامی دنیا سے الگ تھلگ کرا دیا گیا پھر لبنان میں عیسائیوں اور فلسطینیوں کو لڑا دیا جس کا نتیجہ لبنان کی اقتصادی تباہی کی صورت میں نکلا۔ امریکی سامراج ایران سے نکالا گیا تو عراق کے ساتھ جنگ کرادی۔ اور جب دیکھا کہ عراق کی جنگی صلاحیت ابھی باقی ہے تو اسرائیل کے ذریعہ اس کے ایٹمی تنصیبات ہی تباہ کرا دیئے اسی طرح لبنان میں شام کے میزائلوں کا بحران فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں پر وحشیانہ گولہ باری اور ان کا قتل عام بھی صیہونی سازشوں ہی کا شاخسانہ ہے حال ہی میں اسرائیل کی سپریم کورٹ نے مسجد اقصٰے کے نیچے کھدائی کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ اب یہ کھدائی شروع ہو چکی ہے آج سے گیارہ سال قبل بھی اسی قسم کی ایک ناپاک سازش کی گئی تھی جس کے نتیجہ میں مسجد اقصٰے کو نذر آتش کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تاکہ مسجد اقصٰے کو مسمار کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کیا جا سکے کچھ عرصہ ہوا کہ بیت المقدس کو اسرائیلی ریاست کا مستقل دارالحکومت قرار دے دیا گیا ہے اور اب بحر روم کو بحر مردار سے ملانے کے لیے اسرائیل نے ایک نہر کی تعمیر کے لیے بھی کھدائی شروع کر دی ہے تاکہ تمام مقبوضہ علاقے پر اس کا قبضہ مستحکم ہو جائے۔

حال ہی میں عربوں کی طرف سے "فہد منصوبہ" کے نام سے چند تجاویز پیش کی گئیں تاکہ اسرائیل بیت المقدس سمیت دو ہزار مربع میل فلسطینی رقبہ خالی کر دے جہاں ایک آزاد فلسطینی مملکت قائم کر دی جائے جس کا دارالحکومت بیت المقدس ہو۔ لیکن اسرائیل نے یہ منصوبہ پیش کرنے پر نہ صرف یہ کہ سعودی عرب کو اپنا کھلا دشمن قرار دے دیا بلکہ اس منصوبہ کے حامی مغربی ممالک سے بھی سخت ناراضگی کا اعلان کیا حالانکہ اس منصوبہ کے تحت اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اظہار بھی کیا گیا تھا، اس کے برعکس امریکہ اور اسرائیل فلسطینیوں کے اپنے ہی وطن میں زندہ رہنے کے حق کی حمایت میں جدوجہد کرنے کو دہشت پسندی قرار دیتے ہیں اور پہلے اسرائیل کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرنے پر اصرار کر رہے ہیں حالانکہ فہد منصوبہ کے تحت جس فلسطینی مملکت قائم کرنے کی تجویز ہے وہ اصل فلسطین کے صرف بیس فی صد رقبہ پر مشتمل ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اگر عرب ممالک اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیں تو پھر اسرائیل کے لیے کونسی مجبوری باقی رہ جاتی ہے کہ وہ مقبوضہ عرب علاقے خالی کرا دے اور فلسطینیوں کا حق خود ارادی تسلیم کرے۔

در اصل مسلم ممالک شدید غلط فہمی کا شکار ہیں ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مشرق وسطیٰ کو اسرائیل سے نہیں بلکہ سوویٹ یونین اور اشتراکیت سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے دشمن دونوں ہی ہیں۔ سوویٹ یونین نے تو پہلے ہی اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر رکھا ہے ادھر امریکہ نے حال ہی میں اسرائیل کے ساتھ گہرا اور مستقل دفاعی معاہدہ کیا ہے جس سے اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ اسرائیل جارحیت کو امریکہ کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ ان حالات میں

کوئی بھی عرب منصوبہ عربوں کو نہ نجات دلوا سکتا ہے اور نہ ہی ایسے کاغذی منصوبوں کے ذریعہ بیت المقدس کی بازیابی ہی ممکن ہے ۔

اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں کفار اور مشرکین کی تاریخی اور نفسیاتی کردار کو کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کی نفسیات کا تجزیہ نہایت شرح و بسط سے کیا ہے یہاں ہم صرف چند نمایاں پہلوؤں کا اختصار سے ذکر کرتے ہیں ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم و بیش چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں بھیجے گئے بنی اسرائیل کو تمام عالم میں بڑائی دی گئی اور خاص نعمتیں پشت در پشت ان پر ہوتی چلی آئیں مگر انہوں نے ہر مرتبہ کفرانِ نعمت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے ظالم حاکم سے نجات دی جو کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کروا دیتا تھا جب موسیٰ علیہ السلام چالیس رات کے لیے کوہ طور پر گئے تو بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ۔ اس پاداش میں ستر ہزار قتل کیے گئے۔ تب معافی ملی۔ تورات کے احکام ماننے کا عہد کیا لیکن جب توراۃ نازل کی گئی تو اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ کوہ طور کو ان پر معلق کیا گیا۔ لیکن رحم کر کے بچا دیئے گئے ۔ جب مصر سے شام کو چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور من و سلویٰ عطا کیا لیکن اللہ پر سے اعتماد اٹھ گیا اور ذخیرہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ یہ نعمت چھین لی گئی ۔ پھر ایک شہر میں داخل ہونے کو کہا گیا سجدہ کرتے ہوئے اور بخشش مانگتے ہوئے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ تمسخر کیا ۔ چنانچہ طاعون میں مبتلا ہو کر ستر ہزار یہود مر گئے ۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے ان کے بارہ قبیلوں کے لیے جاری کیے گئے لیکن پھر بھی ناشکری کی ۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیے گئے لیکن اس معاملہ میں بھی اپنی چالاک فطرت سے نیا طریقہ نکال لیا۔ چنانچہ بندر بنا کر ہلاک کر دیئے گئے۔

یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ راہ راست پر نہیں لیکن نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی راہ راست پر نہیں۔ نصرانیوں نے انجیل میں دیکھ لیا کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لا کر کافر ہو گئے اور یہودیوں نے دیکھ لیا کہ عیسائی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر کافر ہو گئے ۔ اس طرح دونوں ہی گمراہ ہو گئے نصاریٰ نے یہود سے مقابلہ کر کے تورات کو جلا ڈالا اور بیت المقدس کا تقدس ضائع کیا ۔ دوسری طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف خفیہ سازشیں کیں اور حاکم وقت کے کان بھر دیئے کہ یہ تورات کو بدلنا چاہتے ہیں چنانچہ بادشاہ نے آپ کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھانے کا حکم دے دیا ۔

ظاہر ہے کہ خدا اور رسولوں کے دشمن مسلمانوں کے دوست کبھی نہیں ہو سکتے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنائیں (کیونکہ) وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص

ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب فرمایا گیا ہے (یعنی یہود پر) کہ وہ آخرت کے (اجر و ثواب) سے ناامید ہو گئے ہیں جس طرح کفار جو قبروں میں ناامید ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کافروں میں سے (خواہ) ان اہل کتاب میں سے ہوں (خواہ) مشرکین میں سے اس بات کو ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تم کو (مسلمانوں کو) کسی طرح بھلائی نصیب ہو۔ (البقرہ آیت ۱۰۵) بلکہ اگر کوئی بھلائی مسلمانوں کو پہنچتی ہے تو اس سے انہیں رنج پہنچتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں (آل عمران آیت ۱۲۰) نیز ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں اپنے سوا غیروں کو اپنا بھیدی مت بناؤ وہ تمہارے اندر فساد ڈلوانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ وہ تمہیں ضرر پہنچانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے (آل عمران آیت ۱۱۸) چنانچہ سب لوگوں سے زیادہ یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کا دشمن بتایا گیا ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ تم ان کافروں سے ہرگز نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا ان لوگوں کے لئے اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کے سبب دنیا میں بھی رسوائی کی بشارت ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے سزائے عظیم کا وعدہ ہے (المائدہ ۔ ۴۱) اسی طرح کفار کی دنیوی شان و شوکت سے دھوکا نہ کھانے کو کہا گیا ہے کیونکہ یہ بہار صرف چند روزہ ہے (آل عمران ۱۹۶ ـ ۱۹۷) ان کو بتدریج جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اس طور پر کہ ان کو اس کی خبر تک نہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی گئی ہے کہ کافر اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹھہر سکتے بلکہ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے (آل عمران آیت ۱۱۱) نیز اللہ تعالیٰ جب چاہیں کافروں کو تباہ کرنے پر قادر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں نکل سکتے۔ انہوں نے پہلے بھی بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں جن سے پہاڑ بھی ٹل جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمام چالبازیاں ناکام بنا دیں (سورۃ ابراہیم آیت ۴۶) کیونکہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کفار کی مدد کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسرائیل نے مغربی سامراجیوں کی سرپرستی میں توسیعی عزائم کر کے اسلامی دنیا کے مقدس مقامات کے لئے جو سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ تمام مسلم ممالک متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اسرائیل کی ناپاک جسارت کا منہ توڑ جواب دینے کی تیاری کریں۔ ورنہ ان کے باہمی اختلافات انہیں کسی خوفناک حادثہ سے دوچار کر سکتے ہیں۔ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے قرآن مجید پر پختہ ایمان اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد مشترکہ جنگی حکمت عملی اور اپنے جملہ فنی وسائل کا یکجا کرنے سے ہی وقت کے دھارے کو موڑا جا سکتا ہے۔ اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا لیکن اس اتحاد کے بغیر اسلامی ممالک کی جغرافیائی یا نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ممکن نہیں ہے اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل کی قراردادوں سے کام نہیں چلے گا اور معذرت خواہانہ رویہ بھی ہمیں ترک کرنا ہوگا کہ مسلم ممالک اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لائیں گے۔ اسرائیل صرف طاقت ہی کی زبان سمجھ سکتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرنے کا واحد طریقہ ہے۔

ضیاء الدین لاہوری

# سرسیدؒ اور علماء کے اختلاف کی بنیاد

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

سرسید احمد خان نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل متعدد مذہبی رسائل تصنیف کیے جنہیں قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا۔ لیکن جنگِ آزادی کے بعد جب انہوں نے مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں پیش کیں تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے ان کی مخالفت اس وقت عروج کو جا پہنچی جب اُن کی سرپرستی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا بحث و مباحثہ کا یہ سلسلہ دار العلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو گذشتہ واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ یا کر دی گئی تھیں انگریزوں اور ان کے کارندوں کا تیار کردہ تعلیمی نصاب جو کچھ سکھاتا رہا ہم اُسے من و عن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو حقائق کو قبول کرنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا کیونکہ تصویر کا ایک رُخ جو بچپن ہی سے دماغ میں جاگزیں ہو چکا تھا دوسرے رُخ کے واضح ہو جانے کے باوجود اس کو رد کرنا اپنی توہین اور حقارت آمیز امر دکھائی دیتا تھا تاہم جنہوں نے حقائق پیش کرنے کی جسارت کی انہیں بوجوہ مصنوعی جذباتی تحریروں کے ذریعہ ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس ردِ عمل کے نتیجے میں بہت سے محققین اس موضوع پہ تحقیق کرنے کی طرف راغب نہ ہو سکے لہٰذا انشاء پردازی کے زور سے حقائق کو مزید مسخ کر کے رکھ دیا گیا۔

اگر بات یہیں تک محدود رہتی تو بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک منصوبے کے تحت بعض کتابوں میں قطع و برید کی گئی تاکہ جدید نسل کو مکمل اندھیرے میں رکھا جا سکے۔ ان کتابوں میں مولانا حالیؔ کی "حیاتِ جاوید" اور شیخ محمد اکرام کی "موجِ کوثر" بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج غلط مفروضوں کو حقائق سمجھ کر سینے سے لگائے

بیٹھے ہیں اور جس کے باعث سر سید کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر باقاعدہ تحقیق کئے بغیر کسی حتمی رائے تک پہنچنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حقائق کی جستجو میں الفاظ کے گورکھ دھندوں پر مبنی مضامین کا سہارا لینے کی بجائے ہم اصل ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کریں تاکہ اپنی قومی زندگی کے ماضی کو صحیح طور پر پیش کر سکیں۔

بعض حلقوں کی عادت ہے کہ اس قسم کے متنازعہ امور میں خود تو ایک فریق کو خواہ مخواہ مطعون ٹھہراتے رہتے ہیں مگر جب اس کے جواب میں اصل حقائق پیش کئے جائیں تو اسے گڑے مردے اکھاڑنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ طرز عمل انصاف کے ترازو میں پورا نہیں اترتا۔

گذشتہ واقعات ہمارے لئے تکلیف دہ ہوں یا باعث فخر۔ ہمیں اپنی قومی و ملی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنا چاہیئے۔ اگر ہم حقائق سے چشم پوشی کا ارتکاب کریں یا واقعات کو غلط رنگ میں پیش کر کے قبائح کو محاسن اور محاسن کو قبائح قرار دے ڈالیں تو یہ فیصلہ ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہوں گے اور ہم غلط نہج پر پڑ کر ٹھوکریں کھائیں گے۔ کسی کی برائیوں پر پردہ ڈالنا اور بات ہے لیکن انہیں مستحسن صورت میں پیش کرنا بدقسمتی کی انتہا ہے۔ کمزوریاں بہرحال کمزوریاں کہلانی چاہئیں اور اچھائیاں صرف اچھائیاں۔ غلطی غلطی ہے اگرچہ اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کی بھلائی کے جذبہ میں کی جائے۔ مگر محض اس وجہ سے کہ غلطی کرنے والے کی رائے خلوص پر مبنی تھی اس پر دیانتدارانہ رائے دینے سے گریز کیا جائے تو وہ غلطی نئی نسل کے سامنے ایک نیک عمل کی صورت اختیار کر جائے گی اور ہم بھٹک جائیں گے

شبلی نعمانی کے مطابق:

"اگر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعروں میں کیا برائی ہے سوائے اس کے کہ وہ محض دعوی کرتے تھے واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے

حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ واقعات سے قومیں سبق سیکھتی ہیں اور مستقبل کے لئے بہتر لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ مجھے کسی فریق کی تحقیر مطلوب نہیں، کون کس حد تک صحیح یا غلط تھا اس وقت اس سے بحث نہیں، میرا مقصود صرف یہ ہے کہ جو بات کہی جائے دیانتدارانہ تحقیق سے نتیجہ اخذ کر کے کہی جائے۔

جب ہم ہندوستان میں ایک صدی قبل کے دور کی اپنی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سر سید اور علماء اسلام میں باہمی کشمکش کا سماں دکھائی دیتا ہے، بلاشبہ علمائے کرام نے اجتماعی اور انفرادی طور پر سر سید کی زبردست مخالفت کی تھی اس کا پس منظر کیا تھا۔ علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت، انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے سر سید کی کوششیں یا کچھ اور۔ مشہور محقق شیخ محمد اکرام نے "موج کوثر" میں سر سید کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

اس مخالفت کے متعلق عوام بلکہ خواص میں بھی کئی غلط فہمیاں رائج ہیں ... سب سے بڑی غلط فہمی جو اس بارے میں بہت عام ہے، یہ ہے کہ علماء نے سر سید

کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سرسید کے موافق اور مخالف تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ہماری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور علماء اور اسلام کے ساتھ صریحاً بے انصافی ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس مخالفت کی بنیاد کیا تھی۔
شیخ محمد اکرام اس کے جواب میں اپنی تحقیق کا لب لباب یوں بیان کرتے ہیں۔

"اس معمہ کے حل کرنے کے لئے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو سرسید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لئے ہوئی کہ اس کی بنا میں سرسید کا ہاتھ تھا اور سرسید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ جنہیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے بلکہ یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے عقائد سرسید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں۔ اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سرسید اپنے مدرسے میں ان عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے۔ سرسید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بدظن ہو جاتے تھے۔

سرسید کے مذہبی خیالات میں تبدیلی کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" میں ملتا ہے اس کے متعلق وہ خود رقمطراز ہیں کہ:

"میری تفسیر پڑھنے والا جا بجا میری تفسیر میں پائے گا، میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جن کو یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیقات بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آتے ہیں۔"

اس کے بعد جب انہوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ:۔

"اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا ذکاۃ سمجھتے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے۔" (۵)

تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سرسید نے ان خیالات کا نہ صرف اظہار ہی کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں ان پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے گئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا ہے۔

"میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسموں کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت، مٹن اور بیف اور مرغ و کبوتر کے کھائے۔" (۶)

بعد ازاں "الخطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیشین گوئی کی۔

"میرے ہم قوم اس محنت کی جو میں نے اس کتاب

کی تصنیف میں کی ہے قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے۔ اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے" (۷)

لندن سے واپسی پر انہوں نے دو بڑے کام کئے۔ پہلا تہذیب الاخلاق کا اجراء دوسرا مدرستہ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ تہذیب الاخلاق میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف" کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :-

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انہوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنھیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے مثلاً شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار۔ حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے" (۸)

مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں لکھا ہے اور ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی جن میں سرسید نے علماء سلف سے اختلاف کیا ہے یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے وہ تحریر کرتے ہیں

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدھا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا ابر کا سایہ کرنا۔ من و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا۔ خلق طیر اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔" (۹)

سرسید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی جب کہ اس خطہ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردعمل ہو سکتا ہے لہذا سرسید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود ان کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

"یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انہوں نے شد و مد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا اور بعض نے یہاں تک کفر کے فتوے بھی دے دیئے اور ان کو کیا کہوں۔ خود مجھ کو بہت سے مسائل میں

اُن سے اختلاف کرنا پڑا۔ بحث و مباحثے رہے"۔ (۱۰)

اس کے علاوہ ایک اور لیکچر میں انہوں نے بیان کیا۔

"شاید سب سے پہلے میں نے ہی اُن کے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ ان کو چھپا پادری کہا۔" (۱۱)

مولانا حالی سرسید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ جب انہوں نے سرسید کی سوانح "حیات جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلل مداحی" قرار دیا اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سرسید سے زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر اُن سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انہوں نے سرسید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے۔

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور کئی مقامات پر اُن سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں تاہم ہم اس تفسیر کو ہم اُن کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں۔" (۱۲)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کئے جاتے ہیں وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سرسید نے کئی موقعوں پر اُن کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سرسید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخبارات میں انہیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا اور سرسید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں اُن سے مقدمہ بازی (۱۳) بھی ہوتی رہی۔ انہوں نے خود ایک تفسیر قرآن مجید کی لکھی ہے سرسید کی تفسیر پر وہ ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں۔

"مجھے ان کے معتقدات بالسر تسلیم نہیں سید احمد خان صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا میرے نزدیک وہ تفسیر دیوان حافظ کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سرسید احمد خان صاحب نے متعلق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے) قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل ... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا نہ جبرئیل حامل وحی کا۔ نہ رسول خدا کا ذہن منتقل ہوا نہ قرآن کے کاتب و مدون کا نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا نہ تبع تابعین کا نہ جمہور مسلمین کا۔" (۱۴)

سرسید کے مذہبی نظریات کے متعلق مندرجہ بالا آراء خود ان کے قابل قدر ساتھیوں کی ہے اور یقیناً یہ نظریات ان کے خلاف فتووں کی بنیاد بنے۔ اس ضمن میں سرسید ایک بزرگ معتقد کو طنزیہ انداز میں لکھتے ہیں۔

"میری نسبت تو بسبب میری تصنیفات کے فتویٰ ہائے کفر ہو چکے ہیں۔ آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں آپ پر بھی فتویٰ ہائے کفر ہو جائیں گے۔" (۱۵)

اور یہی بنیاد علی گڑھ کالج کی مخالفت کا باعث بنی۔ سرسید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"جس زمانے میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ہر حصہ ملک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلی جاتی ہے۔ مگر بعض

فکر مسلم کو فرنگی تخیلات کی فراہمی



مذہبی مسائل جو میں نے بیان کیے ان کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ کچھ شبہ ہوا اور فتور پڑا"۔(۱۶)

شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بدگمانیوں نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہوتی گئیں۔ مولانا حالی ان کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک مدت تک سرسید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں رہیں۔ ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لامذہب بنانا منظور ہے اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدے کے لئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔ اگرچہ اس خیال کا دوسرا جز صحیح تھا مگر پہلا جز اس لئے غلط تھا کہ حالات موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اس بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو"۔(۱۷)

غالباً پہلی "بدگمانی" سرسید کے ان عزائم کے باعث پیدا ہوئی ہو گی جن کا اظہار انہوں نے کالج قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد بیان کرتے ہوئے کیا۔

"اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجے کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں"۔(۱۸)

دوسری "بدگمانی" کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کی مخالفت میں وہ علماء پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام ہندوستان میں نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت ان دقیانوسی علماء نے کی جو ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہیں اور سرکار انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم"۔(۱۹)

مولانا حالی ان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

"مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی وجاہت اور ذی رعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے۔ ایک مولوی امداد علی ڈپٹی کلکٹر کانپور اور دوسرے مولوی علی بخش خان سب جج گورکھپور۔ اگرچہ ان دونوں صاحب مذہبی عقائد و خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے۔ یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی۔ اور یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں"۔(۲۰)

ان میں پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سرسید کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

"مولوی سید امداد علی خان بہادر، جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق و دوست ہیں مدرستہ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ،

ہم جب ان سے ملتے ہیں، مدرستہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دربار دہلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی۔ انہوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے اول یہ کہ "تہذیب الاخلاق" کا چھاپنا بند کر دو یا اس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد و اقوال سے جو برخلاف علماء متقدمین ہیں توبہ کرو۔" (۲۱)

دوسرے بزرگ بھی سرسید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ ان کے مذہبی خیالات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خان نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خان صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائے سے مذہبی دست اندازی و انقلاب دین ایسا ان کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہو گئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے اُن کے خیالات مذہبی سے ہے، نہ ان کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے۔" (۲۲)

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سرسید کے مخالف علماء سرکار انگریزی سے "استحکام" کے خلاف تھے یا حامی کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سرسید اپنے مضامین میں "قومی ہمدردی" اور "قومی عزت" کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ پہلے بزرگ یعنی سید امداد علی کو انہوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا اس کی تردید میں سید امداد علی ثبوت کے طور پر اپنی خیر خواہی سرکار کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی، ایس، آئی سید احمد خان یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان و اہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر بنظر نمک حلالی اپنے آقا کے سینہ پر گولی باغیوں کی کھائے اور ہزارہا روپے کا مال ان سے چھڑا لائے اور وہ گولی چھ ماہ بعد ڈاکٹر رے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا خون سٹرو صاحب، داماد لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور جنینس صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پہنچنے جائیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینے پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا سمجھا جا سکتا ہے؟" (۲۳)

"قومی عزت" کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد علی ۱۸۵۷ء

کی جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کی حمایت میں اپنے ہم وطنوں کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جان نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انہیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار دیا نہیں جا سکتا۔ ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتیب فکر کے علماء سے سرسید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کر کے رسالہ "امداد الآفاق برجم اہل النفاق بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کئے۔ مولانا حالی ان فتووں کے مطالعہ کے بعد وضاحت کرتے ہیں۔

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں سُنی کیا شیعہ، کیا مقلد کیا غیر مقلد، کیا وہابی کیا بدعتی سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور سُنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔" (۲۴)

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"دلی، رام پور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساتھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتووں پر مہریں اور دستخط کئے تھے۔ گویا ہندوستان کے تمام اہلِ حل وعقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا۔ صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق تصویب باقی رہ گئی تھی۔ سو مولوی علی بخش خان نے یہ کمی پوری کر دی۔" (۲۵)

یعنی ان دوسرے بزرگ نے حرمین شریفین جا کر مذاہب اربعہ کے مفتیوں سے سرسید کے خلاف فتوے حاصل کئے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب میں ان کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔ سرسید نے ان حصول فتاوی کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے:

جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکّہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت ان حج اکبر نصیب ہوا۔۔۔ سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے۔" (۲۶)

مندرجہ بالا حوالہ جات موضوع زیرِ بحث کے پس منظر پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالتے ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کے خلاف فتاوی کفر کی بنیاد میں انگریزی تعلیم سے مخالفت کا جو تصور ہمارے ذہنوں میں پرورش پا چکا ہے اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں اور یہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ "فکر و نظر")

ماہنامہ المرشد چکوال

کا

مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے

فی کاپی ۳ روپے اور سالانہ چندہ ۳۵ روپے

ہے

# حوالہ جات

۱۔ مکاتیب شبلی (حصہ اول ، مطبع شاہی لکھنو (۱۶ ۱۹ء) صہ ۱۴۳ (۲) موج کوثر۔ شیخ محمد اکرام فیروز سنز لاہور ص۷۶

(۳) ایضاً ص ۷۷-۷۸ (۴) تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل سرسید (جلد دوم) ذاتی پریس سید غازی پور علی گڑھ (۱۸۶۳ - ۱۸۶۵) ص ۳۴۱-

۵۔ احکام طعام اہل کتاب سرسید مطبع منشی نول کشور کانپور (۱۸۶۸) صہ ۱۷

۶۔ مسافران لندن سرسید مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۶۱) ص ۴۷۔

۷۔ خطوط سرسید مرتبہ سرراس مسعود۔ نظامی پریس بدایون ۱۹۲۴ء ص ۷۱ (۸) موج کوثر ص ۷۹-۸۰

۹۔ حیات جاوید الطاف حسین حالی (انجمن ترقی اردو دہلی (۱۹۳۹ء) حصہ دوم ص۲۳۵)

۱۰۔ مجموعہ لیکچرز و سپیچ نواب محسن الملک۔ نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور ۱۹۰۴ء ص ۵۰۸

۱۱۔ ایضاً ص ۴۱۲ (۱۲) حیات جاوید (حصہ اول ، ص ۲۰

۱۳۔ بحوالہ مضحکات و مطائبات سرسید شیر علی خان سرخوش مطبوعہ لاہور (طبع اول ، حصہ دوم ص ۳۳)

۱۴۔ موعظہ حسنہ ، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ، مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۶۳) ص ۱۹۹-۲۰۰)

۱۵۔ خطوط سرسید۔ ص ۳۲۹ (۱۶) مکمل مجموعہ لیکچرز و سپیچ سرسید مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰) ص۱۵۳

۱۷۔ حیات جاوید (حصہ دوم) ص۲۸۴

۱۸۔ ایڈریس اور اسپیچیں متعلق ایم اے او کالج علی گڑھ مرتبہ نواب محسن الملک علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس ۱۸۹۸ء

دیباچہ ص ۲۔ (۱۹) موج کوثر ص ۸۰ ۔

۲۰۔ حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۴۵ - ۲۴۶

۲۱۔ مقالات سرسید ، مجلس ترقی ادب لاہور جلد دہم (۱۹۶۲) ص ۵۶

۲۲۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ ۱۵ جمادی الاول ۱۲۹۰ھ ص ۷۲

۲۳۔ مضحکات و مطائبات سرسید (حصہ اول) ص ۹۱ (۲۴) حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۵۱

۲۵۔ ایضاً ص ۲۵۲

۲۶۔ تہذیب الاخلاق (جلد دوم) مطبوعہ لاہور ص ۵۱۶

# خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

حافظ عبد الرزاق صاحب ایم اے

## یادِ ایام

اس شہر کے ساتھ اسلام کی تاریخ کے ابتدائی تیرہ برسوں کی طویل اور زہرہ گداز داستان وابستہ ہے۔ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ نبوی زندگی کے صبر آزما واقعات وابستہ ہیں۔ امینِ مکہ ہی نہیں امینِ عرب بلکہ امینِ عالم کی تریپن سالہ زندگی کے متنوع نقشوں کی یاد موجود ہے۔ یہاں وہ مکان موجود ہے جس میں آفتاب عالم تاب طلوع ہوا جسے مولد النبیؐ کہتے ہیں۔ آج وہاں لائبریری ہے یعنی جہاں سے اسلام کی روشنی پھیلی تھی۔ وہاں سے اس گئے گزرے زمانہ میں بھی علم کے سوتے پھوٹتے ہیں یہاں وہ گھاٹی موجود ہے جس میں ان قدسی نفوس کو تین سال تک ایوں محبوس رکھا گیا کہ پوری آبادی نے مکمل طور پر بائیکاٹ کئے رکھا اس لئے کہ وہ انسانیت کی نشاۃ ثانیہ اور بقاء کے لیے کوشاں کیوں ہیں۔ یہاں وہ پہاڑی موجود ہے جس پر کھڑے ہو کر داعی اسلام نے قوم کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے پکارا تھا۔ اور اس چچا نے اس کے جواب میں بھتیجے کو کہا تھا۔ تباً لک

اور ربّ محمدؐ نے اس کے جواب میں تبت یدا ابی لھب وتب کا اعلان کر کے اس کی شقاوت پر دائمی مہر ثبت کر دی۔ حالانکہ چچا کا کام تو بھتیجے کو تحفظ دینا تھا اس کے ساتھ تعاون کرنا تھا۔ مگر کون نہیں جانتا کہ:

نہ رکھ اپنوں سے کچھ امید بہبودی کی اے جرأت
نکالا ہے کبھی خارِ کفِ پا ناخنِ پا نے

اس پہاڑ کی چوٹی پر شق القمر کا معجزہ دکھایا گیا۔ اسی شہر کی گلیوں میں بلال کو گھسیٹا گیا۔ یہیں ابوجہل کا گھر تھا۔ جہاں اب بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں کتنی مناسب یادگار بنائی گئی ہے۔ خدا جانے کس منصوبے کے تحت بنی ہے یا ربِ حکیم کی حکمت کا تقاضا یہی تھا۔

اسی جگہ وہ وسیع احاطہ ہے جسے جنت المعلیٰ کہتے ہیں اس احاطے میں وہ بلاکشانِ محبت محوِ استراحت ہیں جنہوں نے اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔ ایک کونے میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ابدی آرام گاہ ہے جنکی نگاہ نکتہ رس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ جہاں تک معاملات کا تعلق ہے حضور اکرمؐ میں وہ اوصاف پائے جاتے ہیں کہ ان کی مثال پورے معاشرے میں نہیں ملتی تھی۔

انہی کے ذہن رسا نے اس حقیقت کو پایا کہ زملونی کے جواب میں حضورؐ کی ڈھارس بندھائی کہ آپ ایسے نہیں کہ اللہ آپ کو ضائع کرے۔ یہی وہ رفیقہ حیات تھیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق حضورؐ ہمیشہ انہیں یاد کرتے اور ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔

اسی احاطے میں حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کی قبر ہے جو ابرہہ سے اپنے اونٹوں

کا مطالبہ کرنے گئے، اور اس نے کہا کہ سردار قریش ہو کر اتنی کم نگاہی کا ثبوت دیتے ہو۔ میں تمہارے مرکز کعبہ کو گرانے آیا ہوں تم نے اس کے بچانے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جواب دیتے ہیں اونٹ میرے ہیں ان کا مطالبہ میں کرتا ہوں گھر جس کا ہے اس کی حفاظت وہ خود کرے گا۔ اس دور جاہلیت میں توحید کا یہ جذبہ حضورؐ کے دادا کے بغیر کون دکھا سکتا ہے۔

صحابہ کے مزارات کے نشانات مٹ گئے ہیں مگر صلحا کی آواز اب بھی سنائی دے رہی ہے۔

یہی وہ شہر ہے جس کے باسیوں نے انتہا کی ناقدر شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے محسن بلکہ محسنِ انسانیت کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اور اللہ نے انہیں ایک رفیق کی نشاندہی فرما کر یہ شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اور چلتے وقت حضورؐ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو مجھے بہت عزیز ہے مگر تیرے شہر کے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

لو اب تم بھی اسی محبوب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مدینہ چلو۔ تم نے اسلام کا آغاز دیکھ لیا۔ اسلام کے سپوتوں کی جفاکشی کے مناظر دیکھ لئے اب وہ جگہ بھی دیکھو جہاں محبوب رب العالمین نے اسلام کو ہیئت حاکمہ تک پہنچایا۔ اور یہ ثابت کر دکھایا کہ

الحق یعلوا ولا یعلی

"المرشد" کے گذشتہ دو برسوں کے پرچے موجود ہیں

سیٹ سال سنہ ۱۴۰۰ھ ۲۵/ روپے } غیر مجلد
،، ،، سنہ ۱۴۰۱ھ ۳۰/ روپے

اہل دل حضرات طلب کر سکتے ہیں